عبدالحلیم شرر کا ایک معرکتہ العراء ناول

فردوسِ بریں

PDF-KUDUNYA

فردوس بریں

عبدالحکیم شرر:

پریوں کا غول

اب تو ۱۵۶ھ ہے' مگر اس سے ڈیڑھ سو سال پیشتر سیاحوں اور خاصیتہً حاجیوں کے لیے وہ کچی اور اُونچی سڑک نہایت ہی اندیشہ ناک اور پُرخطر تھی جو بحرخزر یسین کے جنوبی ساحل سے شروع ہوئی ہے اور شہر بابل میں ہو کے شاہنامے کے قدیم دیوستان یعنی ملک ماژندران اور علاقہ رودبار سے گزرتی اور کوہسار طالقان کو شمالاً جنوباً قطع کرتی ہوئی شہر قزوین کو نکل گئی ہے۔ مدتوں سے اس سڑک کا یہ حال ہے کہ دن دہاڑے بڑے بڑے تافلے لٹ جاتے ہیں اور بے گناہوں کی لاشوں کی برف اور سردی مظلومی وقتل و غارت گری کی یادگار بنا کے سالہا سال تک باقی رکھتی ہے۔

ان دونوں ابتدائے سرما کا زمانہ ہے۔ سالِ گزشتہ کی برف پوری پگھلنے نہیں پائی تھی کہ برف برسنا شروع ہوگئی۔ مگر ابھی جاڑا اتنے درجے کو نہیں پہنچا کہ موسم بہار کے نمانے اور فصل کی دلچسپیاں بالکل مٹ گئی ہوں۔ آخری موسم کے دو چار پھول باقی ہیں اور کہیں کہیں اُن کے عاشق وقدردان بلبلِ بدخشاں بھی اپنی ہزار داستانی نغمہ سنجی کے راگ سُناتے نظر آجاتے ہیں۔ یہ کوہستان عرب کے خشک و بے گیاہ پہاڑوں کی طرف برہنہ اور دھوپ میں جھلسے ہوئے نہیں بلکہ ہر طرف سایہ دار درخت اور گنی جھاڑیوں نے نیچر پرستوں اور قدرت کے حقیقی قدردانوں کے لئے عمدہ عمدہ عشرت کدے اور تنہائی کی خلوت گاہیں بنا رکھی ہیں۔ اور جس جگہ درختوں کے جھنڈ تھے وہاں آسمان کے نیلے شامیانے کے نیچے قدرت نے گھاس کا سبزہ اور مخملی فرش بچھا دیا ہے' جس پر بیٹھ کے کوئی شراب شیراز کے لطف اٹھانا چاہے تو یہاں نہر رُکنے کے بدلے نہر ویر بخان موجود ہے جو شاید ابھی ڈیڑھ صدی بھی نہیں گزری کہ رودسفید سے کاٹ کے پہاڑوں کے اندر ہی اندر مختلف گھاٹیوں میں گھمائی اور آخر شہر خرم آباد کے قریب بحرخزر میں گرائی گئی ہے۔

ان ہی دلچسپیوں اور قدرت کے ان ہی نظر فریب منظروں نے اس کوہسار کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا کر دیے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنت ان ہی گھاٹیوں میں ہے اور بعض سمجھتے ہیں کہ قدیم دیوزادوں کو کیومرث ورستم ونریمان کے زور بازو نے فنا کر دیا' مگر ان کی یادگاریں بہت سی پریاں آج تک ان تنہائی کے مقامات میں سکونت پزیر ہیں۔ خوش عقیدہ لوگوں میں سے اکثروں نے ان پریوں کو اُڑتے دیکھا ہے اور بعض سیاحوں کو تو پریوں کے بڑے بڑے ہوش ربا غول گھاٹیوں سے ناگہاں نکل پڑتے نظر آئے۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ جو کوئی یکہ و تنہا ان پریوں کے غول میں آتا ہے فوراً مر جاتا ہے۔

مگر پریوں اور قدیم دیوؤں سے زیادہ ظالم ملاحدہ اور باطنیہ لوگ ہیں جو اس علاقے میں آباد اور پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جو پرانے اصول وعقائد کا مسلمان ان کے ہاتھ پڑ جاتا ہے' کسی طرح جان بر نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جمادی الاول' جمادی الآخر اور جب کے مہینوں میں ان کے مظالم کی دھوم مچ جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ علاقہ ہائے ترکستان وغیرہ استراکان کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو جہازوں پر بحرخزر سے پار ہو کے اسی علاقے میں اُترتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کے مظالم کی ہر جگہ شہرت ہوگئی ہے اور بہت سے لوگوں نے یہ راستہ چھوڑ دیا ہے اور اس کے مضافات کے لیے تو اور کوئی راستہ ہی نہیں۔

یہ سڑک جس کا اُوپر ذکر آیا' بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ مگر ہمارے پیشِ نظر صرف وہی ہے جہاں یہ سڑک نہر ویر بخان کے کنارے کنارے گزری ہے۔ اس مقام سے علاقہ رودبار کے میدان ختم ہو گئے اور کوہستان سخت اور پیچیدہ نشیب وفراز کی ابتدا ہے۔ یہاں سے کچھ آگے بڑھ کے سڑک اور طرف گئی ہے اور نہر کوہ البرز کے دانتوں میں چکر کھا کے دشوار گزار اور پیچیدہ گھاٹیوں میں غائب ہو گئی ہے۔ شام کو شاید ہی چند گھڑیاں باقی ہوں گی۔ آفتاب سامنے برف آلود چوٹیوں کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس کی کمزور کرنوں نے جو تھوڑی گرمی پیدا کر دی تھی' مٹ گئی اور ہوا کے سرد جھونکے جو بلند برفستان سے پھسلتے ہوئے آتے ہیں' انسان کے لیے کپکپا دینے کو کافی ہیں۔ اس جگہ پر اور ایسی حالت میں شمال کی طرف سے دو مسافر سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹے اور دوہری ٹھٹھریوں کی صورت بنائے ہوئے آہستہ آہستہ آرہے ہیں۔ دونوں اپنے چھوٹے چھوٹے اور تھکے ماندے گدھوں پر سوار ہیں۔ ان کی سست روی اور مجموعی حالت سے خیال ہوتا ہے کہ کسی گاؤں کے قریب کے ملا یا فقیر ہیں جو امارت اور سپاہیانہ دونوں وضعوں سے جدا کسی دینی غرض اور تقدس کی شان سے اس سفر کو نکلے ہیں مگر نہیں وہ قریب آگئے اور معلوم ہوا کہ ملا ہیں نہ مشائخ بلکہ دونوں عمر شریف زادے ہیں' اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں میں ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ ان کے لباس اور وضع سے چاہے نہ ظاہر ہو مگر بشرے بتاتے ہیں کہ کسی معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور ممکن نہیں کہ نیچے جنہیں سر سے پاؤں تک لپیٹ لیا ہے دونوں شرفائے آل کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔

PDF KI DUNY

باب نمبر 2

زمرد: حسین' سنو میں تمہارے ساتھ نہ آتی۔ مانتی ہوں کہ تم شریف ہو اور اس زمانے سے جب کہ ہم دونوں مکتب میں ایک ساتھ پڑھتے تھے' مجھے تم سے محبت ہے۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ ایک شریف لڑکی کو تم فقرہ دے کے نکال لائے ہو۔ میں خود شوق سے ہوں۔ فقط اتنی امید پر کہ بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کے دو آنسو بہاؤں گی۔ جب یہ مقصد پورا ہو لے گا تو حج کو چلوں گی۔

حسین: زمرد اپنی جوانی اور اس کم سنی پر ترس کھاؤ اور اس ارادے سے باز آؤ۔

زمرد: نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔ اسی آرزو کے لیے بے عزتی گوارا کی ہے۔

حسین: (مایوسی کی آواز سے) خداوندا! اگر جان ہی جاتی ہے تو پہلے مارا جاؤں۔

زمرد: تیری مصیبت ان آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی (مسکرا کے) گھبراؤ نہیں۔ ہم دونوں کی کشش ایک دوسرے کو کھینچ لے گی۔ مارے گئے تو دونوں مارے جائیں گے۔

یہ کہ زمرد نے اپنے گدھے کو نہر ویر بخان کی طرف موڑا۔ دو ہی قدم چلی ہو گی کہ حسین نے روک کر کہا "زمرد ذرا صبر کرو۔ چلنا ہے تو کل چلنا۔ اب شام ہوا چاہتی ہے۔ پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی"۔

زمرد: بس اب چلے ہی چلو۔ کہیں آبادی ملنے کی تو امید نہیں اور جب جنگل ہی میں ٹھہرنا ہے تو یہاں وہاں دونوں جگہ برابر ہے۔

حسین سے کسی طرح انکار کرتے نہ بنی' چل کھڑا ہوا اور دل میں پس و پیش کرتا ہوا زمرد کے ساتھ کوہ البرز کی تیرہ و تار گھاٹی میں گھسا۔ اب دونوں آہستہ آہستہ چلے جاتے ہیں' اور اس سنسان مقام کا رعب دونوں پر اس قدر بیٹھ گیا ہے کہ بالکل خاموش ہیں۔ جوں جوں آگے بڑھتے ہیں' جنگل گھنا ہوتا جاتا ہے۔ سردی ساعت بساعت بڑھ رہی ہے۔ سناٹے نے نہر کے بہنے کی آواز زیادہ تیز کر دی ہے جس سے اس مقام کے وحشت ناک منظر میں ایک ہیبت پیدا ہو گئی ہے۔ اب راستہ دشوار ہے دونوں آگے پیچھے اپنے گدھے کے دہانے ہاتھ میں پکڑے چٹانوں سے نیچے اور جھاڑیوں میں گھستے چلے جاتے ہیں۔ آخر دیر کے سکوت کے بعد حسین نے مرعوب ہو کر کہا:

"بے شک پریاں ایسے ہی سناٹے کے مقام میں رہتی ہیں۔ انسان کیا معنی یہاں جانور کا بھی پتا نہیں۔

زمرد: ہاں اور سنتی ہوں کہ اس نہر میں اکثر جگہ پریاں نہاتی ہیں اور بال کھولے ہوئے آپس میں کھیلتی اور چھینٹیں اڑاتی بھی نظر آ جایا کرتی ہیں۔

حسین: (چونک کر) یہ سناتی آواز کیسی تھی؟ کوئی تیز سن سے کانوں کے پاس سے آگے نکل گئی۔

زمرد: اور یہ مشہور بات ہے کہ پریوں کے تخت جا بے اُڑتے نظر آتے ہیں' مگر ان کے نکل جانے کی آواز ضرور سنائی دیتی ہے۔

حسین: یہ بھی ممکن ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ کوئی جانور تھا۔

زمرد: جانور ہوتا تو دکھائی نہ دیتا؟

حسین: اگرچہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا' مگر یہاں تم دیکھ رہی ہو کہ شام سے بھی زیادہ اندھیرا ہے۔ ایسے دھندلکے میں بعض اوقات الو یا بڑے بڑے چمگادڑ بھی اسی طرح سناٹے کی آواز سے اُڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

زمرد: لیکن اصل میں یہ وہی پری زاد ہیں جو مختلف جانوروں کی صورت میں رات کو نکلتے ہیں۔

حسین: ہو گا (اتنا کہ اس نے اردگرد کے سین کو وحشت اور بزدلی کی نگاہوں سے دیکھا' اور نہایت پریشانی کی آواز میں کہا) شام ہوا چاہتی ہے اور تمہارے بھائی کی قبر کا کہیں پتا نہیں۔

زمرد: مگر میں تو بھائی کی قبر تک پہنچے بغیر دم نہ لوں گی۔

یہ کہتے ہی ایک نہایت تاریک گھاٹی نظر آئی جس میں نہر تو گئی ہے مگر دونوں جانب ایسی چکنی اور کڑی چٹانیں ہیں کہ انسان کا گزرنا بہت دشوار ہے۔ اس گھاٹی کی صورت دیکھتے ہی زمرد ایک شوق اور بے خودی کی آواز میں چلا اٹھی "وہاں دیکھو یہ دوسری علامت ہے۔ اسی میں سے ہو کے راستہ گیا ہے۔"

حسین: مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر سے ہم جائیں گے کیونکر؟

زمرد: جس طرح بنے جاؤں گی ضرور۔

حسین: اور یہ گدھے؟

زمرد: ان کو یہیں چھوڑ دو۔ واپس آ کے لے لینا۔

حسین نے اس مستقل مزاجی پر زمرد کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ پھر گدھے درختوں سے باندھے اور دونوں چٹانوں سے چمٹتے اور ہاتھوں سے پتھروں کے سروں کو پکڑتے ہوئے آگے روانہ ہوئے۔ کوئی دو گھڑی یا محنت کا سفر کیا ہو گا کہ گھاٹی ختم ہو گئی جس سے نکلتے ہی دونوں نے حیرت سے دیکھا کہ نہر ویر بخان اس گھاٹی سے گزر کے یکا یک

UrduPoint.com
PDF KI DUNYA

باب نمبر 3

دونوں عاشق ومعشوق روشنی کو گھبرا گھبرا کے اور ساعت بہ ساعت زیادہ متحرک ہونے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل قریب آ گئی۔ بڑی بڑی پندرہ بیس مشعلیں تھیں اور ان کے نیچے حسین دپری جمال عورتوں کا ایک بڑا غول جن کی صورت دیکھتے ہی زمرد اور حسین دونوں نے چیخ ماری۔ دہشت زدگی کی آواز میں دونوں کی زبان سے نکلا ''پریاں'' اور دونوں غش کھا کے بے ہوش ہو گئے۔

پیاری زمرد، تو کہاں گئی!

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

صبح کا وقت تھا اور نسیم کے جھونکے چل رہے تھے کہ مرغانِ سحر نے اپنے اپنے نشیمنوں سے نکل نکل کے حسین کو خوابِ بے ہوشی سے جگا دیا۔ خمار کی سی کروٹیں بدل کے آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا اور چاروں طرف مڑ مڑ کے دیکھا مگر زمرد کا کہیں پتا نہ تھا۔ جب معشوقۂ دل رُبا کی پیاری اور محبت بھری صورت کسی طرف نظر نہ آئی تو کلیجا دھک سے ہو گیا۔ ناتوانی اور سر پھرنے کی وجہ سے کئی دفعہ گر کر اٹھا اور لڑکھراتا ہوا چلا، آس پاس ہر جگہ دیکھا، ہر طرف نظر دوڑا کر ڈھونڈا لیکن نازنین و نازآفرین زمرد کا نام ونشان نہیں۔ آخر ہر طرف سے مایوس ہو کے اور جستجو میں تھک کے موسیٰ کی قبر کے پاس آ کے بیٹھ گیا اور نہایت ہی حسرت واندوہ کے عالم میں آنسو بہا کے کہنے لگا:

''پیاری زمرد! تو کہاں گئی؟ آہ! آسمان وزمین کھا گئے یا رات کی پریاں تجھے بھی اپنے ساتھ لے گئیں؟'' اتفاق سے موسیٰ کی قبر پر نظر پڑی اور دیکھ کے متعجب ہوا کہ قبر کچھ بدلی ہوئی سی ہے اور دو ایک پتھر زیادہ ہیں جو کل شام تک نہ تھے۔ حیرت کم نہ ہوئی تھی کہ اس چٹان پر نظر گئی جس پر موسیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اور اس کتبے میں بھی کچھ تغیر دیکھ کے غور سے پڑھنے لگا۔ کسی قدر بلند آواز میں اس کی زبان سے نکلا ''موسیٰ اور زمرد'' اور اس کے ساتھ چیخ مار کے پھر بے ہوش ہو گیا۔ غم واندوہ کے فوری جھٹکے پر طبیعت پھر غالب آئی، ہوش آیا اور دل میں کہا ''افسوس! وہی ہوا جو زمرد کہتی تھی۔ وہ مر گئی اور میں زندہ ہوں۔ آہ! پریاں شرحِ الم تھیں پھرتی سے اُسے مار ڈالا۔ مجھے نیم جان چھوڑ گئیں۔ آہ! وہ تو میری جان تھی۔ پھر اس کے بغیر میں کیوں زندہ رہوں۔'' یہ کہہ کہ اسی چٹان سے سر ٹکرانے لگا جس پر دونوں بہن بھائیوں کے نام کندہ تھے۔ دل میں آئی کہ قبر کھول کے اپنے آپ کو بھی اس میں دفن کر دے بلکہ اس ارادے سے چلا تھا کہ مذہب کے فرشتے نے کان میں کہا ''یہ دین کے خلاف اور مرنے والوں کی توہین ہے''۔ فرشتۂ غیب کی آواز سنتے ہی اس نے زور سے چلا کے کہا ''تو پھر میں کیا کروں؟'' یہ کہہ کے زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ دیر تک تڑپنے اور نالہ وزاری کرنے کے بعد اُٹھا اور دوڑ کر موسیٰ کی قبر سے لپٹ گیا۔ اب وہ اسے زمرد کی قبر سمجھتا تھا اور جس طرح کوئی زندہ شخص کسی طرف متوجہ ہو کے باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی قبر کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا:

''پیاری زمرد مرنا اپنے اختیار میں نہیں، خودکشی حرام ہے اور جینا بے سود و بے مزہ لیکن کب تک؟ مرنا برحق ہے اور موت ایک دفعہ ضرور آئے گی۔ پھر اس کا انتظار اسی جگہ کیوں نہ کروں۔ زندگی کے ان باقی دونوں میں تیری قبر میری مونس وجلیس ہو گئی اور تیرا خیال میرا باوفا معشوق بس اب میں یہیں رہوں گا اور یہیں مروں گا۔ ہائے! جس طرح تیرے بھائی نے تجھے اپنے پاس بلا لیا، اسی طرح تو مجھے بلا لے۔ تیری وصیت مجھ سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اب میں یہیں کا ہوں۔ کیا عجب کہ ان پریوں کا پھر کبھی ادھر گزر ہو۔ وہ آسانی سے مجھے تیرے پاس پہنچا دیں گی''۔ دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد حسین کو کسی قدر تسکین سی ہو گئی۔ قبر پر سے اُٹھ کر نہر کے کنارے گیا، پرنم آنکھوں پر پاک وصاف پانی کے چھینٹے دیے، وضو کیا اور قبر کے برابر کھڑے ہو کر چند نفل رکعتیں ادا کیں۔ پھر بیٹھ کے انتہائی خضوع کے ساتھ زمرد کے لیے دعائے مغفرت کرنے لگا اور ہمیشہ کے لیے یہیں سکونت اختیار کر لی۔

حسین نے کچھ ایسے مضبوط دل سے اپنے لیے یہ زندگی اختیار کی تھی، اور موت کی دعا مانگنے یا خاں ستاں پریوں کے انتظار میں اسے کچھ ایسا مزہ ملنے لگا تھا کہ اب اُسے نہ وطن یاد رہا نہ ارادۂ حج۔ زمرد کا خیال اس کا قبلہ اور مشترک قبر اس کی مسجد۔ گھاس پات اور کبھی کبھی چڑیوں کے شکار پر بسر ہوتی ہے اور پیامِ مرگ کا ہر گھڑی انتظار رہتا ہے۔ جب کبھی اندوہ وغم کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو اپنی نازنین معشوقہ کی قبر سے لپٹ کے اور رو رو کے دل کی بھڑاس نکال ڈالتا ہے۔

اسی حالت میں رہتے اور موسیٰ اور زمرد کی تربت کا مجاور بنے اُسے چھ مہینے گزر گئے۔ جاڑوں کا پورا موسم انہی پہاڑوں پر بسر ہوا۔ جہاں ایک عرصے تک ان مظلوم شہیدانِ حسرت کی قبر پر برف کی چادر چڑھی رہی۔ موسم کی سخت سردی اور برف باری نے صبر وشکر کے ساتھ جھیل لی۔ اب بہار کا زمانہ ہے ہمیشہ معطر ومشک بار رہتے ہیں اور دل کا ولولہ ساعت بساعت زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ حسین کا غم اب پہلے سے زیادہ جوش وخروش پر ہے اور ان ظالم پری دشوں کے انتظار میں بے صبری اور بے چینی پیدا ہو چکی ہے۔ روز رو رو کے کہتا ہے ''افسوس! موسیٰ اور زمرد کا

PDF KI DUNY

باب نمبر 4

کوہِ جودی بہت بلند پہاڑ ہے اور ایران اور ایشائے کوچک بلکہ سلسلۂ کوہ قاف کی اکثر چوٹیوں سے زیادہ بلند ہے۔ حسین پہلے ایک بڑا چکر کھا کے اس زبردست اور برف سے ڈھکے ہوئے قلعے کے مشرقی پہلو پر نکل گیا اور اُس غار کو ڈھونڈنے لگا جس میں اُسے چلہ کشی کرنا تھی۔ کئی روز تک چٹانوں اور گھاٹیوں میں ٹکراتے رہنے کے بعد وہ غار ملا۔ دور دور کے گاؤں والے اکثر اس غار کی زیارت اور اس کے تاریک دہانے پر کچھ نہ کچھ چڑھانے کو آتے رہتے تھے۔ لوگوں میں اس کی قدیم برکتوں کے بہت سے قصے مشہور تھے اور یہودی و نصاریٰ و مسلمان سب اس کو حرمت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہی گاؤں میں ایک زائر کی زبانی حسین کو غار کے حالات معلوم ہوئے اور سمجھ گیا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں اسے اپنی ریاضت و نفس کشی کا پہلا امتحان دینا ہے اور جہاں جنابِ ابراہیم نے خدا کو پہچانا تھا۔

دن کو جب حسین اس غار کے دہانے پر پہنچا' وہاں اضلاع جودی و لبنان کے چند خوش عقیدہ زائروں کا مجمع تھا۔ شام کو ان کے واپس جانے کے بعد جیسے ہی آفتاب غروب ہوا' وہ خدا کا نام لے کر اندر گھسا۔ غار میں جاتے ہی ریاضیت میں مشغول ہو گیا اور کوشش کرنے لگا کہ وہاں کی بھیانک تاریکی میں زمرد کی خیالی تصویر کا چراغ بنا کے ہر وقت نظر کے سامنے رکھے۔ چوتھے دن پچھلی رات کو نکل کے گھاس اور پتوں سے بھوک کی حدت کم کر لیتا اور پھر اسی خلوت کدے میں جا بیٹھتا۔

آخر چلہ پورا کر کے پری وش نوجوان نے شام کی راہ لی۔ تین مہینے کے سفر کے بعد مقدس شہر خلیل کی عمارتیں نظروں کے سامنے تھیں۔ آبادی میں داخل ہو کے سیدھا اس تہ خانے پر پہنچا۔ مگر یہاں نیچے اُترنا بہت دشوار تھا۔ اس لیے کہ ہر وقت لوگوں کو مجمع رہتا اور خرابی یہ تھی کہ جو کوئی اس مقدس غار میں اترنے کا ارادہ کرے' پہلے اجازت لے۔ لہٰذا حاکم مجاورین کو دوست بنا کر اجازت حاصل کرنے کے لیے راستے کے قریب ہی شب باش ہوا۔ کئی راتیں جاگ کے کاٹیں مگر موقع نہ ملا۔ اس لیے کہ اکثر لوگ یہاں پاس ہی شب بیداری کرتے تھے' اور ایسا کوئی وقت نہ ملتا جب کہ لوگ مصروف دُعا و عبادت نہ ہوں۔ دو تین ہفتے کے بعد ایک مرتبہ پچھلی رات کو اُٹھ کر دیکھا تو میدان صاف تھا اور جو لوگ تھے' وہ سو رہے تھے۔ چپکے چپکے دبے پاؤں تہ خانے کے دروازے پر گیا اور چاروں طرف دیکھ کے جب اطمینان کر لیا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو بے تکلف نیچے اُتر گیا۔

اس مقام پر جانا بڑی جرأت و ہمت کا کام تھا۔ اُن انبیائے عظام کا رُعب ساعت بساعت دل پر غالب آتا جاتا تھا۔ پاؤں کانپ رہے تھے اور دل دھڑک رہا تھا تاہم زمرد کا شوق ان تمام دلی کمزوریوں پر غالب آیا۔ وہ برابر بڑھتا چلا گیا۔ بار بار اُسے معلوم ہوتا تھا جیسے فرشتے روک رہے ہیں کہ اس مقدس جگہ کو اپنے قدموں سے ناپاک نہ کر۔ مگر ان سب خیالات کو مٹا مٹا کے وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہاتھوں اور پاؤں سے ٹٹولتا ہوا تہ تک پہنچ گیا۔ رات کا وقت اور پھر وہ تاریک مقام' حسین پہنچ کے پریشان ہوا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا' بزرگ پیغمبروں کے جنازے کیوں کر نظر آئیں گے۔ عرصے تک ایک ہی جگہ کھڑا سوچتا رہا۔ اب دل کو مضبوط کر کے آمادہ ہوا کہ ٹٹول کے آگے بڑھے کہ ناگہاں صبح کی شعاعیں اُوپر سے پہنچیں اور وہ ٹھہر گیا کہ روزِ روشن ہو لے تو زیادہ آسانی سے اپنے مقصودہ مقام پر پہنچ سکوں گا۔ اور یہی ہوا۔ دن کی روشنی نے اندھیرا کم کر دیا اور اسے کئی لاشیں چبوترے پر رکھی نظر آئیں جن میں سب کے درمیان حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کے جسم تھے۔ اُن کا انتقال چونکہ مصر میں ہوا تھا' لہٰذا قدیم مصریوں کے مذاق پر اُن کی ممیاں بنائی گئی تھیں۔ اُن کے جسم آئینے کے تابوتوں میں تھے' جن سے اُس تاریکی میں ایک عجب رُعب و جلال برستا نظر آتا تھا۔

حسین یہ مقدس چہرے دیکھ کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ چند لمحے تک مرعوب اور سہما کھڑا رہا اور پھر جی کڑا کر کے قدم آگے بڑھایا اور دونوں کے درمیان میں جا کے چپکے سے بیٹھ گیا' جہاں دونوں کے باہیبت چہرے ہر وقت اس کے پیشِ نظر رہتے اور ان کا رعب اس قدر غالب تھا کہ زمرد کے خیال کو وہ مشکل سے آنکھوں کے سامنے متشکل کر سکتا تھا۔ مگر کوہ جودی کے چلے کی کوشش نے وہ پیاری صورت زیادہ استقلال کے ساتھ نظر کے سامنے قائم کر دی اور تھوڑی ہی کوشش سے ان دونوں متبرک چہروں کے درمیان میں وہ اپنی معشوقہ کا جلوہ دیکھ لیا کرتا تھا۔

الغرض یہاں بھی وہ چلہ کشی میں مشغول ہو گیا۔ یہاں کوہِ جودی کے غار کی طرح یہ ممکن نہ تھا کہ کسی وقت نکل کے قوت لایموت حاصل کرے۔ اس کا خیال اُسے پہلے سے تھا اور اس ضرورت سے تھوڑا سا پنیر اپنی چادر میں باندھ کر لیتا آیا تھا۔ دو تین ٹکڑے چوتھے دن کھا کے شکر گزار ہوتا۔ خدا خدا کر کے یہ چلہ بھی پورا ہوا۔ اکتالیسویں رات کو وہ چپکے چپکے اور دبے پاؤں باہر نکلا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ جلب کی راہ لے۔ مگر لوگ جاگ رہے تھے جن میں سے بعض اُسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی غل مچا کے حملہ کیا اور وہ غار سے نکلتے ہوئے مجاوروں کے

PDF KI DUNYA

باب نمبر 5

حسین: (سینے پر ہاتھ رکھ کے) بے شک میں ایسی ہی اطاعت کروں گا۔ مگر کیا معاصی اور بُرے کاموں کے لیے بے سمجھے ارتکاب کر لینا چاہیئے؟

شیخ: (نہایت جلال کے ساتھ اور آنکھیں سُرخ کر کے) لیکن ممکن ہے کہ مرید اور عقیدت کیش کو وہ فعل گناہ نظر آتا ہو۔

شیخ: ہاں ممکن ہے مگر اس کا باطن گناہ نہیں اور نتائج صرف باطن پر مرتب ہوتے ہیں۔

حسین: مگر اسی باطن پر جو مرتکب اور کرنے والے کے دل میں ہو۔ میں ایک فعل کا ارتکاب کروں تو اس کے نتائج اسی نیت پر مرتب ہوں گے جو میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اس کا باطنی رُخ اچھا نہیں معلوم ہوگا تو خواہ مخواہ میری نیت بھی بُری ہوگی۔ اور جب میری نیت بُری ہوگی تو نتیجہ بھی اس نیت کے مطابق بُرا ہونا چاہیئے۔

شیخ: (جوش میں آ کے آنکھیں سُرخ کر کے) تو کیا تیرے نزدیک شیخ کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے پہلے رازِ لاہوتی کے تسلیم کرنے سے تجھے انکار ہے؟

حسین: (شیخ کے قدموں پر گر کر) ہرگز نہیں۔ مگر میری باتیں محض اس لیے ہیں کہ لیطمئن قلبی۔ خداوندا وہ دن نہ لائے کہ میں شیخ کی نیت پر شبہ کروں۔

یہ جواب سن کر شیخ نے حسین کو اٹھا کے سینے سے لگایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیر کے کہا ''سن! بے شک تیرے دل میں ابھی شکوک آتے ہوں گے۔ مگر اس راہِ باطن میں جو قدم آگے بڑھائے گا' تجھے نظر آ جائے گا کہ مرید کہ وقعت کیا ہے۔ سن! مرید بعینہ ایک تلوار ہے جس کے قبضے میں شیخ کا ہاتھ ہے' اور تو سمجھ سکتا ہے کہ تلوار پڑے اور جس کا سر چاہے اُڑا دے مگر الزام یا ظلم کی نسبت تلوار کو ہاتھ میں لیے ہو۔ یقین ہے کہ اب تیرا شک رفع ہو گیا ہوگا اور تو سمجھنے لگا ہوگا کہ مرید کے افعال کا باطنی پہلو شیخ کی نیت سے متعلق ہے' نہ کہ خود مرید کے ارادے سے جب اس طرح اطاعت اور مستعدی دکھا کے انسان ارادت کے مدارج طے کر چکتا ہے' اس وقت اعلیٰ درجے پر پہنچتا ہے۔ لیکن جب تک وہ ارادت کے درجے طے کر رہا ہے' اس کے ارادوں اور اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس وقت تک اس کے فعل کا ذمے دار شیخ اور مُرشد ہے۔

حسین: (جوش وخروش سے شیخ کا ہاتھ چوم کے) بے شک۔ بجا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے سے حقیقت کا پردہ اٹھ گیا اور تجھے کسی حکم کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا۔

شیخ: حسین' مرید کے سر پر بڑی نازک ذمے داری ہے۔ اس سے زیادہ نفس کشی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے دل اور اپنی عقل کو اپنے افعال سے بالکل الگ رکھے۔ مگر تو غور کرے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ احکام الٰہی اور رفتارِ زمانہ کے بالکل موافق ہے۔ جن کاموں کی تعمیل خضر نے کی اور جن میں موسیٰ سے مدد لی' ان کا باطنی پہلو صرف خضر کے دل میں تھا اور موسیٰ کی نیت میں وہ قطعی معاصی نہ تھے۔ مگر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ نے گناہ کیا اور اتنے بڑے کبیرہ گناہ میں شریک ہوئے۔ ایسا اس لیے کہ اس عالمِ باطنی میں خضر مرشد اور موسیٰ مرید تھے۔ اس کی تعمیل خود ظاہر پرستوں میں روز ہوتی رہی ہے۔ طبیب بظاہر نہایت سمی دوا دیتا ہے اور مریض اگرچہ اس کے منافع سے بے خبر ہے مگر بلا تامل کھا لیتا ہے۔ ماں باپ لڑکے کو کسی کام پر مارتے ہیں۔ لڑکا اس کام کو اپنے دل میں اچھا سمجھ لیتا ہے۔ مگر ماں باپ اپنے دل میں اور اپنے ہی خیال کی مغفرت کی تمنا پر مارتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ ہر ایک کے نزدیک اچھا ہوتا ہے۔

یہ تقریر ایسی مؤثر تھی کہ حسین اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ لا سکا اور پھر ایک نہایت ہی بے خودی کی وضع سے جوش میں آ کے چلایا ''بے شک! آپ بجا فرماتے ہیں۔ میرے دل کو اطمینان ہو گیا۔ میں کبھی بھی کسی حکم سے سرتابی نہ کروں گا۔''

اس علم غیب اور اس مدلل تقریر نے حسین کو شیخ علی وجودی کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ اُس کی نظر میں سوائے شیخ کے اور کسی چیز کی ہستی نہ تھی۔ اُس کے کانوں میں ہر وقت شیخ کی آواز گونجتی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہر گھڑی شیخ کی تصور پھرتی اور اس کے دل میں ہر لحظہ شیخ کے احکام کا انتظار رہتا۔ زمرد کی تصویر بھی اب اس طرح ہمیشہ پیش نظر نہ تھی بلکہ کبھی خانقاہ کے حجرے میں لیٹ کے وہ زمرد کے خیال کی طرف متوجہ ہو کے کہتا'' پیاری زمرد! مگر اتنی مدت میں سے معلوم ہو گیا کہ شیخ علی وجودی کے مرید و معتقدین کن کن شہروں میں اور کتنے کتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کا معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دور دراز کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نئے نئے عجب وغریب حکامات سن کر واپس جاتے' جن کی فوری تعمیل ہوتی۔ ایک طرف خراسان' مکران' سیستان' فارس' رودبار آذربائیجان' عراقِ عرب اور عراقِ عجم کے مرید آتے اور دوسری طرف عمان' حضر موت' حجاز' یمن' زنجبار' مصر' طرابلس الغرب' الجزیرہ اور تمام علاقہ افریقہ اور ایشیائے کوچک کے معتقد۔ یہ سب لوگ مختلف وضع ولباس میں ہوتے اور پوشیدہ

باب نمبر6

ملاءِ اعلیٰ کا سفر

امام نجم الدین نیشا پوری اُس عہد کے بڑے امام تھے۔تمام زمانے میں اُن کی نیک نفسی اور علم وفضل کی شہرت تھی۔ شاید کوئی مقام ہوگا جہاں ان کے شاگرد مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی مقتدائی نہ کر رہے ہوں۔حسین کے استاد مرشد ہی نہیں بلکہ چچا بھی تھے۔ان کا اصلی وطن شہر کابل میں تھا۔چھوٹی ہی عمر میں طلبِ علم کے شوق میں گھر سے نکل گئے تھے۔دنیا کی بڑی بڑی درسگاہوں میں شریک ہو کے بغداد پہنچے۔ایک مدت دراز تک مدرسۂ نظامیہ کی طالب علمی کی۔پھر مشرقی بلاد کی سیاست میں مشغول ہوئے۔بخارا وہرات کی علمی صحبتوں میں شریک ہوئے اور وہاں کے علما کی درس گاہوں سے خوشہ چینی کر کے نیشا پور میں آئے اور وہیں متوطن ہو گئے۔اب ان دونوں علم و فضل کے بڑے مرکز اور خدا شناسی کے نامور قطب بنے ہوئے تھے۔

حسین نے ایک ایسے نیک نفس اور باخدا عزیز کے قتل کرنے کا حکم سنا تو یکا یک کچھ ایسی حیرت و پریشانی ہوئی کہ بے ہوش ہو گیا۔شیخ علی وجدوی نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر نہ کی بلکہ اسی طرح زمین پر پڑا رہنے دیا۔تھوڑی دیر تک تو وہ انتظار کرتے رہے کہ حسین خود ہی ہوش میں آ کے حکم بجالانے کا وعدہ کرے۔مگر جب اُسے ہوش میں آنے سے دیر ہوئی تو اسی طرح چھوڑ کے ایک دوسرے حجرے میں چلے گئے۔شاید دو گھنٹے میں حسین کو ہوش آیا اور اس کے ساتھ ہی شیخ کا واجب التعمیل حکم بھی یاد آیا۔قریب تھا کہ دریائے غفلت میں پھر ایک غوطہ لگائے' مگر سنبھلا اور اُٹھ کے چاروں طرف دیکھا۔شیخ علی وجودی غائب تھے اور تنہا وہی تھا۔

گزشتہ باتوں کو یاد کر کے حیرت کرنے لگا ''کیا مجھے شیخ کی بات سمجھنے میں غلطی ہوئی؟ بے شک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ایسے نیک نفس اور حقیقت بیں شیخ نے تو اس قسم کے سخت ظلم و گناہ کا حکم نہ دیا ہوگا۔مجھے قتل عمد کی ہدایت' اور قتل بھی کس کا؟ شیخ نجم الدین نیشا پوری کا جن سے بڑا عالم فاضل اس وقت صفحۂ ہستی پر نہیں۔یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔مگر فرض کر لیا جائے کہ شیخ نے یہی حکم دیا ہے تو بھی یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ اپنے پیر و مرشد اور باخدا چچا کو قتل کر ڈالوں۔(کانپ کر) بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔دنیا کیا کہے گی؟ اور پھر دین میں بھی تو ہے کہ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ اس حکم کو بجالا کے سوا اس کے کہ روسیاہی دارین حاصل کروں اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کے سوا اور کچھ نہیں۔لیکن ہاں شیخ نے کہا تھا کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔اس میں بھی کوئی فائدہ ضرور متصور ہوگا۔حقیقت میں وہ رموزِ قدرت جانتے ہیں۔امام نجم الدین شیخ علی وجودی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔اور نہ خیال آتا ہے کہ شیخ علی وجودی کی نیت بُری ہے۔کوئی تعجب نہیں اگر کسی روحانی مصلحت سے انہوں نے بظاہر ایسے مکروہ کام کا حکم دیا ہو۔واقعی اگر یہی حکم ہو تو مجھے تامل نہ کرنا چاہئے۔یہ میرا پہلا امتحان ہے۔اگر ذرا بھی عذر کیا تو گناہ گار بھی ہوں گا اور زمرد کے وصال سے بھی محروم رہوں گا۔اس تعمیل حکم میں دینی فائدہ تو بدیہی ہے کیونکہ شیخ کا امر واجب الاذعان ہے۔باقی رہی دنیاوی بدنامی تو اس کی کوئی ہستی نہیں۔اگر کسی قدر ہے بھی تو اس کے عوض میں کتنا بڑا فائدہ ہے کہ پیاری زمرد کی ہم کناری اسی زندگی میں نصیب ہو جائے گی۔'' دل میں یہ خیال جما کے حسین حجرے سے نکلا اور مختلف حجروں میں ڈھونڈتا ہوا اُس حجرے میں پہنچا جہاں شیخ علی وجودی تھے۔اُن کی صورت دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا اور چلایا۔'' مجھے وہ حکم یاد نہیں رہا۔جلدی بتائیے کہ تعمیل کو روانہ ہوں۔''

شیخ: دیکھو! اب کے تامل نہ ہو۔مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے دل میں بدگمانی پیدا ہو اور تم اپنی ساری محنت ضائع کر دو۔خوب یاد رکھو کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔

حسین: خوب یاد ہے' اور مجھے ذرا تامل نہ ہوگا۔

شیخ: تو جاؤ' امام نجم الدین نیشا پوری کو قتل کر دو۔

حسین: (دل مضبوط کر کے) بہتر۔لیکن اگر میں مارڈالا گیا؟

شیخ: کوئی مضایقہ نہیں۔بلا زحمت زمرد سے جا ملو گے۔مگر مجھے معلوم ہے ایسا نہ ہوگا۔

حسین: تو میں رخصت ہوتا ہوں۔

شیخ: ٹھہرو (ایک تیز خنجر نکال کر) اس خنجر کو اپنے پاس چھپا کے رکھو۔جن وقت موقع ملے' اس سے کام لینا۔

مرشد کا عطا کیا ہوا خنجر لے کر حسین نے اپنے اُستاد کی جان لینے کو شرق کی راہ لی۔ڈیڑھ مہینے بعد بغداد پہنچا۔وہاں سے چل کر اصفہان اور اصفہان سے ایک مہینے بعد نیشا پور پہنچ گیا۔حلب سے نکلے چار مہینے ہوئے تھے کہ امام نجم الدین کی درس گاہ میں حاضر ہو گیا۔امام موصوف پہچانتے ہی بغل گیر ہوئے اور بے انتہا شفقت سے پیش آئے۔ گھر کے خطوط سے انہیں یہ خبر معلوم ہو چکی تھی کہ حسین ایک شریف لڑکی کو ساتھ لے کر بدنامی کے ساتھ نکل گیا ہے' جس کا تذکرہ کر کے انہوں نے افسوس کیا اور کہا ''حسین' مجھے ایسی امید نہ تھی کہ علم کو اس ذوق وشوق سے حاصل کر کے تم اس کی بے حرمتی کرو گے۔''

PDF KI DUNY

باب نمبر7

شیخ وجودی کی برہمی کی اب انتہا نہ تھی۔انہوں نے حسین کو غضب آلود اور سُرخ آنکھوں سے گھور کے دیکھا اور بولے:

"بے شک انسان ظلوم وجہول ہے۔یہ تیرے خیال میں نہیں آتا کہ ہم محض اُسی کے ارشاد کے بموجب اُن صفات کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ہم اُسے نور کہتے ہیں' مگر چونکہ ہمارے خیال کے نور سے وہ منزہ ہے لہٰذا اُسے الانوار بھی کہہ دیتے ہیں۔"

حسین: بے شک صحیح ہے۔اب میرا اطمینان ہو گیا۔اور انشاء اللہ کبھی اپنے افعال پر نہ پچھتاؤں گا۔لیکن اُمیدوار ہوں کہ اب مجھے وہ سروِشبستان دکھایا جائے جہاں میری زمرد اجرامِ فلکی کے پہلو میں بیٹھی جلوہ افگنی کر رہی ہے۔

شیخ: بہتر۔

یہ کہہ کے شیخ نے اٹھ کے اپنی کتابوں کا صندوق کھولا۔اُسے میں سے ایک چھوٹی کتاب نکالی۔پھر اُس کے ورق اُلٹے' ایک خط نکالا اور اُس خط کو حسین کے ہاتھ میں دے کے کہا "لے اس خط کو احتیاط سے رکھ اور اسی وقت روانہ ہو کے شہر اصفہان کی راہ لے۔یاد رکھ کہ اصفہان کے شمالی پھاٹک کے باہر ایک شکستہ اور قریب لِا نہدام مسجد ہے۔ اُس میں تو ایک فقیر کو پا دے گا جو بظاہر بھیک مانگتا ہے مگر باطن میں ایک بڑا خدا شناس شخص ہے۔یہ فقیر ہر وقت اپنے جسم پر ونبے کی کھال اوڑھے رکھتا ہے اور انکساراً یہ صدا لگا کر راہ گیروں سے مانگتا ہے کہ "دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔" کاظم جنوبی اس کا نام ہے۔یہ خط لے جا کے اس کے ہاتھ میں دے اور میرا اسلام کہہ۔رات کو تجھے وہ ایک غار میں لے جائے گا جہاں تو ایک بڑے امامِ واقفِ اسرارِ سرمدی سے ملے گا۔اسی وقت تو جنت کے مدارج طے کرنا شروع کر دے گا اور چند ہی روز کی زندگی میں جو زیادہ تر خواب کی سی ہو گی' فردوس بریں کے اعلیٰ منازل میں جا پہنچے گا۔

حسین نے خط لے کر شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔پھر رخصت ہونے کے طریقے سے ان کے قدم چومے اور اصفہان کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہوا۔اب اس کا یہ سفر زیادہ اطمینان سے تھا۔گناہ کی ملامت وندامت کے اثر کو شیخ علی وجودی کی تقریر نے اس کے دل سے بالکل محو کر دیا تھا۔اُمیدوار آرزو کا باغ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمرد آ کے ہم کنار ہوا ہی چاہتی ہے۔اسی اطمینان اور ان ہی مسرتوں کے ساتھ بغداد ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔شمالی پھاٹک کے باہر مسجد کے دروازے پر متردد کھڑا تھا کہ کان میں آواز آئی "دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ" فوراً دوڑ کے مسجد میں گیا اور شیخ کا خط نکال کر کاظم جنوبی کے ہاتھ میں دے دیا جو دنبے کی کھال اوڑھے بیٹھا زور سے صدائیں لگا رہا تھا۔

کاظم جنوبی نے حسین کو حیرت واستعجاب کی نظر دے دیکھا اور جوش وحشت کے لہجے میں چلا اُٹھا "خدا را ز اہلِ علم حذر" مگر جب خط کو پڑھا تو فوراً اُٹھ کے بغل گیر ہوا اور کہا "میں نہیں سمجھا تھا کہ شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم بھی ہو۔آؤ بیٹھو۔کھا پی کے آرام کر لو۔رات ہو تو تم کو شیخ الجب کے پاس لے چلوں۔انہیں حیاتہ الجب اختیار کرنی چاہیئے۔دن چونکہ مظہر النور ہے لہٰذا دن بھر وہ اپنے اُوپر انوار لاہوت اکبر کا انعکاس کرتے ہیں۔اور رات چونکہ تیرہ وتار اور نمونہ ظلمت ہے لہٰذا اسی ظلمت میں وہ مادی پیکروں سے ایک گونہ علاقہ پیدا کرتے ہیں۔

حسین: مگر معلوم نہیں مجھ جیسے گناہ گار روسیہ کار سے وہ ملنا بھی پسند کریں گے؟

کاظم جنوبی: ضرور ملیں گے۔شجرِ معرفت کی ایک شاخ تم ہو۔

حسین دن بھر اسی مسجد میں رہا اور شام کے بعد ایک ثلث رات گزر گئی تو کاظم جنوبی اسے ساتھ لے کے بیرونی کوہستان کی طرف روانہ ہوا۔بہت سے نشیب وفراز طے کر کے اور کئی گھاٹیوں سے گزر کر کاظم ایک بڑے غار کے دہانے پر ٹھہر گیا اور زور سے چلایا:

"یا شیخ! ظلمت مادی میں ایک جگنو چمکا ہے۔" مگر کچھ جواب نہ ملا۔پھر کاظم جنوبی نے پکار کے کہا "ایک آئینے سے پردہ اُٹھا' جو تجلیاتِ انوار لاہوتی سے منعکس ہونا چاہیئے۔" اب بھی کوئی جواب نہ ملا پھر کاظم جنوبی نے پکار کے کہا "ایک آخشیجی پیکر کا مقید سروِشبستان جانے کے لیے مصر ہے۔" اس تیسری ندا پر غار کے اندر سے چٹانوں سے گونجتی ہوئی اور اندھیرے میں سنسناتی ہوئی آواز آئی "مرحبا! جوان آ ملی مرحبا! جنت کی ایک حور دو سال سے تیرے فراق میں بے تاب ہے۔میں نے اپنی سیرا ہوتی میں ایک طرف اس حور کو فردوس بریں کے گوشوں میں روتے اور دوسری طرف تجھے راہِ طلب میں قدم مارتے دیکھا ہے۔اب یہیں سے تجھے لذائذ سروِشبستانی حاصل ہونے لگیں گے۔قدرت کے کرشمے دیکھ۔" اس جملے کے ساتھ ہی غار کی تہ میں ایک روشنی نمودار ہوئی اور کاظم جنوبی نے حسین سے کہا:

"بس آگے میں نہیں چل سکتا۔مجال نہیں کہ ایک قدم بھی آگے جاؤں۔"

PDF KI DUNY

باب نمبر 8

فردوسِ بریں

حسین کو خبر نہیں کہ یہ غفلت کتنی دیر تک اس پر طاری ری۔ لیکن مدہوشی تھوڑی کم ہوئی تھی اور نشہ اُترنا شروع ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی دل کش اور وجد آور نغمے کی آواز کان میں آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا دل فریب و دل رُبا پری پیکروں کا ایک طائفہ عجب وغرب اور انتہا سے زیادہ پُر لطف باجوں اور مزامیر کے ساتھ اپنے نور کے گلوں سے ولولہ خیز بہار کی مسرت انگیز دھن میں یہ ترانہ مبارکباد گا رہا ہے کہ "سلامٌ علیکم طبتم فادخلو! یا خالدین۔" ایک جوش مسرت کی بے اختیاری سے اُس نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں۔ ہر طرف ایسا سماں نظر آیا کہ جدھر نظر جاتی ہے۔

کرشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا ایں جاست

حسین نے اُس وقت اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ ایک طلاکار اور مرصع کشتی میں سوار ہے اور نازک بدن اور پری جمال لڑکوں کو کوشش سے وہ کشتی ایک پتلی مگر بہت ہی دل کش نہر کے کنارے ابھی ابھی آ کے ٹھہری ہے۔ نرم اور نظر فریب سبزے کو شفاف اور پاک و صاف پانی اپنی روانی میں چومتا ہوا نکل جاتا ہے۔ بعض مقامات پر گنجان اور سایہ دار درخت ہیں جو پیچیدہ اور خمدار زلفوں کی طرح نہر کی گوری مگر نم آلود پیشانی پر دونوں طرف جھکے پڑتے ہیں۔ مگر جہاں پر کشتی کنارے لگی ہے وہاں ایک کشادہ مرغزار ہے۔ اُن خوب صورت ملاحوں کے کہنے کے بمو جب وہ کشتی سے اتر کے سبزۂ روئیدہ کی سیر کرنے لگا۔ وہاں جا کر دیکھا تو اور حیرت ہوئی پانی کے پاس ہی سبزے کا پتلا اور برابر حاشیہ چھوڑ کے شگفتہ اور خوش رنگ پھولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو نہر کے دونوں طرف حدِ نظر تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگرچہ پھولوں میں شادابی و خوش رنگی کی وہی شان ہے جو خودرو پھولوں میں نظر آتی ہے مگر اس قدرتی اجتہاد کے ساتھ خوش رنگ لیاقت بلکہ بظاہر فوق العادت ہوشیاری و دانائی سے چمن بندی کی گئی ہے۔ چمنوں کی بعض قطاریں تو ایسی ہیں ایک ہی وردی کی فوج مختلف کیمپوں پر تقسیم ہوتی چلی گئی ہے۔ مگر اکثر چمن ایسے ہیں جن میں مختلف رنگ کے پھولوں کو ترکیب دے کر زمین پر ایسی ایسی گل کاریاں کی گئی ہیں کہ عقل انسانی حیرت میں آ جاتی ہے۔ سارا مرغزار اور ساری وادی جو کوسوں دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جسے خوبصورت متوازی اور سرسبز و شاداب پہاڑوں نے اپنے حلقے میں لے لیا ہے ان چمنوں اور پھولوں سے بھری ہے اور مختلف نہریں جو پانی کی چادریں بن بن کے پہاڑوں سے اُترتی ہیں ان ہی چمنوں اور پھولوں کے درمیان جا بجا بہ رہی ہیں اور ان کے پانی نے خواہ پھولوں کی خوشبو سے متاثر ہو کے کسی اور وجہ سے گلاب اور کیوڑے کی شان پیدا کر لی ہے۔

یہ نہریں زبانِ حال سے پکار پکار کے کہہ رہی ہیں کہ ہم ہی تسنیم و سلسبیل ہیں۔ راستوں اور روشوں کی ترتیب میں معجزہ نما کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر چمن کے ایک پہلو کو نہر دھوتی ہے تو اس کے کمال صناعی دکھا رہی ہے۔ مختلف قسم اور مختلف رنگ کے سنگ ریزے بچھا کے کوئی سڑک فیروزے کی کوئی یاقوت کی اور کوئی نیلم کی بنا دی گئی ہے۔ پھر ترتیب میں یہ لطف ہے کہ جس رنگ کے پھولوں کا چمن ہے اُسی کی مناسب و موزوں رنگ کی نیلی خوش نما سڑک اُس کے پہلو سے گزری ہے نغمہ سنج طیور ان چمنوں میں اُڑاتے پھرتے ہیں پھولوں کے قریب بیٹھ کے عشق و محبت کی داستان سناتے ہیں اور خدا جانے کس کمال اُستادی سے تعلیم دی گئی ہے کہ اکثر جانے والے جہاں دیگر اطراف میں پری پیکروں کے نورانی گلوں سے خیر مقدم کا ترانہ سنتے ہیں وہاں ان نغمہ سنج طائروں کا بیڑ بھی اپنے قدرتی ارغنوں سے یہی کلمہ خیر مقدم سناتا ہے کہ "سلامٌ علیکم طبتم فادخلو! یا خالدین۔"

حسین نے نہایت حیرت و جوش سے دیکھا کہ ان چمنوں میں جا بجا نہروں کے کنارے سونے چاندی کے تخت بچھے ہیں جن پر ریشمی پھولدار کپڑوں کا فرش ہے۔ لوگ پُرتکلف گاؤ تکیوں سے مٹھ لگائے دلفریب اور ہوش رُبا کم سن لڑکوں کو پہلو میں لیے بیٹھے ہیں اور جنت کی بے فکریوں سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ خوب صورت آفت روزگار لڑکے کہیں تو سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور کہیں نہایت ہی نزاکت اور دلفریب حرکتوں سے ساقی گری کرتے ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں اور گزک کے لیے سدھائے یا قدرت کے سکھائے ہوئے طیور پھولدار درختوں سے پھل توڑ توڑ کر لاتے ہیں اور ان کے سامنے رکھ کے اُڑ جاتے ہیں۔ پھل ہی نہیں یہ خوشنما طیور کپڑوں میں لپٹے ہوئے کبابوں کی پوٹلیاں بھی لاتے ہیں اور ان کے لیے میکشی اور شاہد پرستی کا پورا سامان فراہم کر دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ حسین چیز جس نے حسین کو متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ سب لوگ بے غل و غش نہایت بے فکری اور اطمینان سے ان لذتوں کے مزے لوٹ رہے تھے اور خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ پاس سے کون گزرتا ہے اور انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔ نہ کسی کو کسی سے حسد تھا اور نہ کسی کو کسی لطف کے چھپانے کی ضرورت تھی۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

یہ عالم دیکھ کے حسین کے دل میں ایک جوش و ولولہ پیدا ہوا۔ اس نے کسی قدر بلند آواز سے کہا "بے شک فردوس

PDF KI DUNY

باب نمبر9

زمرد: یہی محبت تمہیں یہاں لائی ہے ورنہ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی زندہ انسان کا بہت کم گزر ہوتا ہے۔ یہ تمہاری بڑی فضیلت ہے کہ اس جسم خاکی کے ساتھ اس نورستان میں آ پہنچے۔

حسین کو جنت میں پھرتے اور زمرد کے حسن و جمال سے لطف اٹھاتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا ہو گا اور یہ ہفتہ اس حالت میں گزرا کہ دل کش اور نشاط انگیز نغموں کی آواز پُر اثر کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔ بہت سی حوریں اس کی خدمت کو حاضر تھیں اور سب پری جمال و زاہد فریب تھیں۔ مگر اسے زمرد کے سوا کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ ہر وقت زمرد کی بغل میں ہاتھ رہتا اور دونوں ہمیشہ فرحت بخش وادیوں اور روح افزا مرغزاروں میں ٹہلتے رہتے۔ زمرد نے اتنے زمانے میں پھر پھر کے اسے یہاں کی تمام نزہت گاہیں اور سب عجائبات دکھا دیے۔ ایک مرتبہ حسین نے کہا ''زمرد میں سنتا تھا کہ جنت میں ہمیشہ صبح کا وقت ہوتا ہے مگر آ کے دیکھا تو یہاں بھی دنیا ہی سے تغیرات موجود ہیں۔''

زمرد: اس امر میں لوگوں کے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہاں ہر وقت صبح ہی رہتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی وقت کا لطف انسان یہاں اٹھا سکتا ہی نہیں۔ ایسا ہو تو جنت سے ایک بڑا لطف اٹھ جائے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ یہاں ہر وقت کوئی ایسا مقام ضرور مل جائے گا جہاں انسان جس وقت کا چاہے لطف اُٹھائے۔

حسین: کیوں کر؟

زمرد: زبان سے کہنے کی نہیں۔ میں چل کے تمہیں آنکھوں سے دکھائے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کے زمرد اُسے لیے ہوئے محل سے باہر نکلی اور کہا ''دیکھو! یہاں دوپہر کا سماں ہے۔ اب چلو آگے چلو۔'' تھوڑی دیر بعد دونوں ایک ایسے درختوں سے گھرے ہوئے سبزہ زار میں پہنچے جہاں آفتاب کی روشنی کو درخت روکے ہوئے تھے، ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور مشرقی قلہ ہائے کوہ سے ہلکی ہلکی روشنی نمودار تھی۔ زمرد یہاں پہنچ کے بولی ''دیکھو یہ صبح کا وقت ہے۔''

حسین: بے شک ہے۔

زمرد: آگے چلو۔

یہاں سے روانہ ہو کے تھوڑی دیر میں دونوں ایک ایسی چھوٹی سی وادی میں پہنچے جو ہر طرف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہاں بھی درختوں نے خفیف تاریکی پیدا کر دی تھی اور ذرا فاصلے کے مقامات پر ہلکا دُھواں اٹھتا نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں طیور کے چہچہانے کا شور بلند تھا اور مغرب کے قلے پر آفتاب کے غروب ہونے کی بھی شعاعیں نظر آ رہی تھیں۔ زمرد نے یہاں رُک کے کہا۔ ''اور یہ شام ہے۔''

حسین: اس میں کسے شک ہو سکتا ہے۔

زمرد: دن کا سماں دیکھ چکے اور شام بھی دیکھ لی۔ صرف رات کا وقت باقی ہے۔ چلو وہ بھی دکھائی دیتی ہوں۔

یہاں سے واپس آ کے زمرد حسین کو لیے ہوئے ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہوئی جہاں نہایت خوبی سے ایک نشیبی راستہ بنا ہوا تھا۔ زینے نہ تھے بلکہ زمین جو پختہ سطح اور رنگ برنگ کی تھی ساعت بساعت نیچی ہوتی جاتی تھی۔ اس زمین دوز راستے میں جاتے جاتے دونوں ایک نہایت ہی عالی شان اور پُر لطف جگہ میں پہنچے، جہاں ہر جگہ کافوری شمعیں روشن تھیں، جھاڑ اور فانوس کثرت سے لٹک رہے تھے اور در و دیوار اور شیشے کے رنگ برنگ ٹکڑوں کو ان شمعوں کی شاخیں کچھ ایسی عجیب روشنی سے چمکا رہی تھیں کہ نظر خیرہ ہو جاتی تھی۔

زمرد: دیکھو! یہ رات ہے اور کیسی پیاری رات!

حسین: پیاری زمرد اگر تو ساتھ ہو تو ہر چیز پیاری ہے۔

یہ سب سامان کچھ کے دونوں اپنے قصر میں واپس آئے اور باہم عشق و محبت کی باتیں کرنے لگے۔ مگر پہلے سے زمرد اب کسی قدر افسردہ تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ زبردستی کوشش کر کے چہرے کو بشاش بناتی ہے مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا ہے۔ حسین نے اس امر کو حیرت سے دیکھا اور کہا ''زمرد! اس فردوسِ بریں میں آج تم مجھے ملول نظر آتی ہو؟''۔

زمرد: نہیں۔ مگر ہاں، گزشتہ مفارقت کسی کسی وقت یاد آ جاتی ہے تو خواہ مخواہ دل بھر آتا ہے۔

حسین: مگر خدا نے وہ مصیبت کاٹ دی ہے اور اب اُمید ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ یوں ہی ایک دوسرے کے وصل سے حظ اُٹھاتے رہیں گے۔

زمرد: خدا کرے ایسا ہو۔ مگر حسین مجھے اس کی اُمید نہیں۔

حسین: (حیرت سے) اُمید نہیں؟ حیف ہے! یہاں کے لطف تو سرمدی و ابدی ہیں۔ یہاں زمرد کسی دشمن کا اندیشہ

PDF KI DUNY

ADMIN

MUHAMMAD NADEEM

0331-6362354

ALL NEWS NETWORK

News Headlines . Daily News Papers .

Job Adds Daily.Sports Headlines .

Weather Update . Breaking News

Teachers r Great

Only Teachers & Educational

Material Allowed

PDF KI DUNIYA

Only PDF Allowed

PDF KI DUNYA

باب نمبر 10

پھر وہی عالمِ عناصِر

دیر کی آزار رساں غفلت و بے ہوشی کے بعد حسین ذرا ہوشیار ہونے لگا تھا کہ کان میں آواز آئی "اے جسم خاکی! اُٹھ اور اس برزخِ کبریٰ کا ہاتھ چوم جو تیرا امام ہے اور جس نے تیرے لیے باوجود مجرد و محض ہونے کے صورتِ مادی اختیار کر لی ہے۔" حسین نے بے ساختہ آنکھ کھول دی اور بجائے جنت یا زمرد کے پہلو کے اپنے آپ کو اس تاجدار شخص کے سامنے پایا جس کے ہاتھ پر اُس نے بیعت کی تھی اور جو اس سفرِ جنت کی آخر منزل پر ملا تھا۔ حسین آنکھیں ملتا ہوا ادب سے اُٹھ بیٹھا اور اُس کے قدموں پر گر کے سر گڑ کے کہنے لگا۔

مکن بیدار ازیں خوابم خدا را!

شخص: نہیں۔ تجھے پھر عالمِ ارضی میں جانا ہے۔ میرا یہ ہاتھ جس میں نور کے مادے کا بہت کم جزو ہے' تیرے ہاتھ سے مل چکا ہے اور ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کے وسیلے سے تیری اُس ملاءِ اعلیٰ تک رسائی ہوئی۔

حسین: مگر میں ابھی اور چند روز جنت میں رہنے کا آرزو مند ہوں۔

شخص: اس مادی عالم کی زندگی میں ممکن نہیں کہ تو اُس روحانی عشرت کدے میں جا سکے۔ جا اور اس وقت کا منتظر رہ جب کسی ذیلی کوشش یا امامِ مرشد کے حکم سے تو جامِ فنا پیے گا۔

حسین: آپ میرے امام ہیں اور آپ ہی جامِ فنا پلا کے مجھے فردوسِ بریں میں پہنچا دیجیے۔

شیخ: یہ ملاءِ اعلیٰ کی سرحد ہے اور یہاں فنا نہیں۔

اتنے میں وہی پہلی پری وش نازنین لبریز جام ہاتھ میں لیے ہوئے آئی جس کے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا "بس' اب زیادہ حجت نہ کر اور یہ شرابِ طہور کا آخری جام پی۔" یہ کہہ کے اُس نے جام اپنے ہاتھ سے حسین کی طرف بڑھایا۔

حسین اب جانتا تھا کہ یہ شرابِ طہور داروئے بے ہوشی کا اثر رکھتی ہے اور جس طرح اُس کا نشہ پہلے اُسے عالمِ نور میں لے گیا تھا' اب حضیضِ ظلمت میں لے جائے گا۔ مگر مایوسی کی تکلیف نے پیاس اس قدر تیز کر دی تھی کہ انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ بے تکلف لے کے پی گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھول کھول کے وہ مختلف سین دیکھنے لگا جو حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے تھے۔

آخر ایک شب کو اس کی آنکھ شیخ الجبل کے سامنے کھلی۔ اس پہلے نگہبان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کے کہا "حسین تو پھر اس تیرہ خاک دانِ عنصری کے حدود میں آ گیا اور ان آنکھوں سے جو انوارِ محضہ و مجردہ دیکھ چکی ہیں پھر نورِ سینا کو اسی طرح ستر حجابوں میں دیکھ رہا ہے۔"

طورِ معنی: بے شک نہ چاہتا ہو گا۔ جذباتِ نورِ وحدت ایسی ہی کشش رکھتے ہیں مگر کیوں کہ ممکن تھا کہ اس جسم خاکی کا دھبا اُس نورستان میں ہمیشہ قائم رہتا۔

حسین: تو للہ کوشش کیجیے کہ اسی وقت اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اُس سروشبستانِ اعلیٰ کا راستہ لوں۔

طورِ معنی: ان امور میں شیخ علی وجودی ہی تمہارا اطمینان کر سکتے ہیں۔ اُن کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں اُس پر عمل کرو۔

حسین: (جوشِ دل سے نوحہ و بکا کر کے) افسوس! میری اتنی ریاضت اور یہ مدتوں کی آرزو مندی صرف اتنے مختصر زمانے کے لیے تھی! آہ کیا کروں کہ پھر زمرد کا وصال نصیب ہو!

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے اور زار قطار رونے لگا اور یہاں تک رویا کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

طورِ معنی: اے بلند حوصلہ مُشتِ غبار! میرے عزلت کدے کو خالی کر اور صفحۂ ہستی پر جا کے اس میعادِ معینہ کو پورا کر۔ جتنے دنوں کے لیے تو اس ظلمت کدۂ ارض میں گرفتار ہے۔

حسین: کاش! یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس مشتِ غبار کو کب تک اس عالم میں سرگرداں پھرنا اور خاک اُڑانا ہے۔

طورِ معنی: تیرے لیے ان رموز کا ظاہر کرنا شیخ علی وجودی کا کام ہے۔ اس لیے کہ وہی تیرے مرشد ہیں۔ مگر ہاں تجھے ایک راز بتا سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ پھر اُس عالمِ نور کی زیارت فقط اُس امام کے اختیار میں ہے جو لاہوت و ناسوت کا برزخ اور تجلی ہے وہ تجلی جو مختلف جسد ہائے امامت و نبوت میں ظاہر ہوتی رہی۔

حسین: مگر ان تک رسائی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور ملاءِ اعلیٰ سے پھر میں اس قعرِ ظلمت میں پھینک دیا گیا تو؟

طورِ معنی: گو ان کا مرکزِ مقر وہی نورستانِ اعلیٰ ہے مگر یک گونہ تعلقاتِ مادہ جن کی وجہ سے انہوں نے بہت سے جسد ہائے امامت بدلے انہیں اکثر اوقات اس آخشیجستان میں کھینچ لاتے ہیں۔ مگر بغیر مرشد کے اس غرض میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تو اصرار کرے تو تیرے مرشد شیخ علی وجودی تیری اس امر میں مدد کریں گے۔ پس اب تو اس خلوت کدۂ نور کو خالی کر اور مرشد کی قدم بوسی کے لیے روانہ ہو۔

اردو پوائنٹ UrduPoint.com
PDF KI DUNY

باب نمبر 11

حسین: مگر مجھے اتنا ضرور بتا دیجیے کہ اُس عالمِ نور میں کبھی پھر بھی میرا گزر ہو سکے گا؟

کاظم جنوبی: اس امر میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں' یقینی ہے کہ اگر تمہارے مرشد کی توجہ ہو تو سب باتیں ممکن ہیں۔

کاظم جنوبی نے اس جملے سے حسین کے سینے میں اُمید کے چراغ کو ذرا اور اُکسا دیا۔ آخر دونوں نے اُس وحشت ناک مسکنِ وام ورد کو چھوڑا اور شہر اصفہان میں آئے۔ کاظم جنوبی نے اپنی مسجد کے دروازے پر پہنچتے ہی آواز لگائی ''دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ'' جس کے بعد حسین نے اُسے رُخصت کیا اور شہر حلب کی راہ لی۔

اس سفر میں حسین ہر وقت جنت اور اس کی حوروں کی اُدھیڑ بن میں رہتا۔ اگرچہ اس کا جسم اس دنیا میں تھا لیکن اُس کے خیالات اور اُس کے اعتقاد میں اُس کی روح علی اللہ وام اُس دوسرے عالمِ نور کے مزے لیتی رہتی۔ وہ خیال میں کہتا ''اتنے انقلابات کے بعد اب مجھے تو یہ معلوم ہو گیا کہ 'مُوتُو قَبلَ اَن تَمُوتُو' کے کیا معنی ہیں یا اس دنیا میں رہنے سہنے کے ساتھ انسان اس عنصرستان سے قطع تعلق کر کے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ عالم ملکوت میں کیوں کر صرف کرتا ہے۔ اب اس مرتبہ جب کہ وہ اصفہان سے حلب کو جا رہا تھا' اسے ایک بہت ہی نئی حیرت میں ڈالنے والی چیز نظر آئی۔ وہ جس گاؤں یا دشت و دہ میں گزرتا۔ اکثر لوگ خود بخود اسے پہچان لیتے کہ جنت کی سیر کر آیا ہے اور پاس آ کے مبارک باد دیتے۔ وہ دل میں پریشان تھا کہ یہ کیا بات ہے اور کون سی علامت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو میری حالت معلوم ہو جاتی ہے! بعض لوگوں سے اس راز کو دریافت بھی کیا مگر کسی نے کچھ نہ بتایا۔ زمرد اب اس کے دل و دماغ پر پہلے سے زیادہ حاوی تھی۔ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حالت میں اس کی دلفریب تصویر پیش نظر رہتی۔ کبھی اپنی طرف بلاتی تھی اور کبھی صبر و تحمل کی تاکید کرتی تھی۔ یہی پریشان کن خواب دیکھتا ہوا شہر حلت میں پہنچا اور شیخ علی وجودی کے سامنے جاتے ہی اُن کے قدموں پر گرا۔ شیخ نے اُٹھا کے پیشانی چومی اور پیٹھ ٹھونک کے اپنے برابر بٹھایا اور کہا ''اے حسین! تو لاہوتِ اکبر کی سیر کر آیا۔''

حسین: یا شیخ! اُس عالمِ نور کی میں نے پوری کیفیت دیکھ لی ہے اور اے وادیٔ ایمن! تیرے پہلو میں مجھے وہ جلوہ نظر آ گیا جس کے اشتیاق کے سوال پر موسیٰ کو بھی ''لن ترانی'' کا جواب ملا تھا۔ مگر کیا کہوں کہ میں نے کن حسرتوں سے اُس خطۂ نور کو چھوڑا ہے۔

شیخ: اے تیرہ و نار مشت غبار! بتا تو نے وہاں کیا دیکھا؟

حسین: ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی۔

شیخ: جذبات نور ایسے ہی ہوتے ہیں۔ زمرد سے ملا تھا؟

حسین: (شیخ کے قدم چوم کے) ملا تھا۔ آہ! جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ نظر کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

UrduPoint.com

شیخ: مگر تیرا جسم خاکی اُس نورستان میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اگرچہ تو کہتا ہے مجھے یقین ہے کہ اُس عالم نور کو آنکھوں سے دیکھ لیا مگر اے حسین میں کہتا ہوں کہ تو نے نہیں دیکھا۔

حسین: نہیں' اے شیخ اور اے وادیٔ ایمن! میں نے دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

حسین کا یہ جواب سنتے ہی شیخ کو جلال آ گیا۔ منہ میں کف بھر آیا۔ آنکھیں سُرخ ہو گئیں وہ جوش میں آ کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حسین مارے خوف کے سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا ''اے متکبر و مغرور مشت خاک! تیری کیا مجال کہ اس نور لم یزل کو ان ذلیل آنکھوں سے دیکھ سکے۔ تیرے جسم کے سامنے وہ تو غیر متغیر بن کے نمایاں ہوا تھا۔ اُس کی اصلی کیفیات کو تیری یہ آنکھیں کسی طرح معلوم نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر ہاں تو اس کو دیکھے گا اور اس کی اصلی حالت و کیفیت میں دیکھے گا۔ مگر کب؟ اس جسم خاکی کو چھوڑ کے اور مجرد محض بن کے اُس وقت تجھے یہ بھی نظر آ جائے گا کہ اُسی نور ازل کا چراغ تو بھی ہے۔''

حسین: (کانپتی آواز سے) مگر میں تو ابھی وہاں سے آنا نہیں چاہتا تھا۔

شیخ: بے شک نہ چاہتا ہو گا۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ نور کثافت مادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

حسین: لیکن اے شیخ! آپ وادیٔ ایمن ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں پھر اُس عالم نور میں جا سکتا ہوں۔ آہ! زمرد کے لیے بہت پریشان ہوں۔

شیخ: (پھر طیش میں آ کے) اگر ہوس است ہمیں قدر بس است۔ اُس سرو شبستان کو بے دیکھے قبول کرنے کی زحمت نہیں دی جا سکتی۔ آگ میں کسی مادی چیز کو ڈال دو تو وہ اپنا تصرف کرنے کے بعد باقی ماندہ کثافت کو الگ پھینک دیتی ہے۔ اسی طرح نورستان نے تیرے جسم کو اپنے میں سے نکال کر پھینک دیا ہے۔

حسین: تو پھر آپ ہی اپنے ہاتھ سے مجھے اس جسم خاکی کی قید سے آزاد کیجیے تاکہ تجرد اختیار کر کے جاؤں اور پیاری

PDF KI DUNYA

باب نمبر 12

شیخ: وہی۔

حسین: مگر آپ تو فرماتے ہیں کہ وہ الموت کے فرماں روا ہیں؟

شیخ: بے شک۔ مگر یہ علائق دنیوی اُن کے تجرد اور اُن کی اُس نورانیت کو جو عالم سروش میں لے جاتی ہے' دُھندلا نہیں کر سکتے۔ امام دینی اور عام لوگوں میں یہی فرق ہے کہ جس چیز کو ہم ریاضیت سے حاصل نہیں کر سکتے وہ انہیں بدرجۂ اتم حاصل رہتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ عالمین برزخ کہے جاتے ہیں۔

حسین: اور وہ امام قائم قیامت کیوں کہلاتے ہیں؟

شیخ: (کسی قدر برہم ہوتے ہوئے رُک کر) ہاں۔ میں نے اس کا راز ابھی نہیں بتایا۔ امامین مستقر دزار کے عہد میں ان میں انوار ازلی کی ایک نئی اور غیر معمولی شمع روشن ہوئی تھی۔ گو یہ شمع دراصل قدیم نور امامت کا انعکاس تھی مگر اتنا بڑا انعکاس کامل کہ اس کے جلوے سے تمام ممالکِ ارض چمک اُٹھے۔

اس سے وہ چراغ نور مراد ہے جو صباح کے جسم صافی میں چمکا تھا۔ یہ لقب قائم قیامت اسی آئینہ پرتو نور ایزدی کا ہے جس نے یکا یک حدود مدارج اعلیٰ اور نورستان میں پہنچ جانے کے اتنے صحیح ذریعے مخلوق میں پیدا کر دیے کہ ادنیٰ لوگوں کو وہ کمال حاصل ہو گیا جو گزشتہ عہدوں میں انبیاء اور ائمہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھا۔ پہلے کوئی فردوسِ بریں میں جانے کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا مگر اب اس اعلیٰ پرتو ایزدی کے ظہور کے بعد یہ حالت ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے ایک دم میں اُس عالم نور کی سیر کر آتا ہوں۔ اور تم بھی اس سروشستان میں جا کے حوروں کی ہم کناری کا مزہ اٹھا آئے ہو۔ قیامت کے معنی ظاہر پرستوں میں اس وقت کے ہیں جب کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ قیامت صرف اُس حالت یا اُس وقت کا نام ہے جب کہ مخلوق کو ایسے تقرب کے درجے پر پہنچا دیا لہٰذا وہ امام قائم قیامت کہلاتے ہیں یعنی وہ امامت جس کی بدولت مخلوق اور خالق میں قربت ہو گئی اور اسی قربت کا نتیجہ ہے کہ اُن کے چند ہی روز بعد امام علی ذاکرۃ السلام میں امامت قدیمہ جو جناب علی مرتضیٰ سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی تھی اور نیز وہ امامت قائم قیامت جس کا چراغ پہلے پہل حسن بن صباح کے اخیر میں روشن ہوا دونوں امامتیں جمع ہو گئیں اور یکا یک انوارِ لم یزلی ہیجان میں آ گئے۔ بس اسی دن سے تمام تکلیفات شرعیہ بندوں پر سے اُٹھا دی گئیں۔ رمضان کی ۲۷ کو اس قربت پُرنور کا جلوہ نظر آیا تھا اور مومنین شرعی ان قیدوں سے آزاد ہوئے تھے۔ اسی سبب سے وہ دن ہمارے لیے عید ہے۔

حسین: (متحیر ہو کے) مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ شب و روز ریاضیت ہی میں مشغول رہتے ہیں اور آپ ہی کی طرح اس فرقۂ ناجیہ کے جتنے پیرو مجھے ملے' سب پابند شرع' بڑے محتاط اور بڑے متقی و پرہیز گار نظر آئے۔

شیخ: جو لوگ عرفان و حقیقت کے مدارج طے کرنا چاہتے ہیں' ان کو مشکلاتِ ریاضیت طے کرنی پڑتی ہیں۔ مگر مومنین پر فرض اب کوئی عبادت نہیں۔ خاصتہً اُن برگزیدگانِ لم یزلی کے لیے جو امام قیامت سے تقرب رکھتے ہوں۔

حسین: مگر یا وادیٔ ایمن! میرا دل آپ کی توجہ کا محتاج ہے۔ تکلیفاتِ شرعیہ کا اُٹھا دینا ایک ایسی چیز ہے جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔

شیخ: (برہمی کے ساتھ) اتنے مدارج طے کرنے پر بھی شک؟ سروشستانِ عالمِ نور کی سیر کر چکنے کے بعد بھی شک؟ اب یہ شک نہیں گستاخی ہے۔ جانتا ہے کہ ساری عبادتیں خداوند جل وعلیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لیے ہیں اور جب وہ قربت حاصل ہو جائے تو پھر کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم نے سنا ہے اور دیکھ بھی لیا ہو گا کہ جنت میں کوئی شخص عبادت کا مکلف نہیں۔ اس کا یہی منشا ہے کہ ہم قرب انوارِ لم یزل کے لیے عبادت کرتے ہیں اور وہ وہاں ہر ایک کو یونہی حاصل ہوتا ہے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com
PDF KI DUNY

باب نمبر13

حسین: بے شک وہ منزل مقصود ہے اور عبادت اس کا راستہ۔ جنت میں پہنچ جانے کے بعد فی الحقیقت کسی عبادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جو لوگ ابھی اس کے باہر ہیں ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ منزلِ مقصود کو پہنچ گئے یا چل رہے ہیں یا راستے میں ہیں لہٰذا ان کو عبادت کی بھی ضرورت ہے۔

شیخ: (انتہا سے زیادہ از خود رفتہ ہو کے اور منہ میں کف بھر لا کے) اس پیکرِ خاکی کو شبہات ہی نے خراب کیا۔ یہ برابر شک کرتا ہے اور اپنے شکوک میں بڑا ضدی ہے۔ سن اے حسین! امام قائم قیامت نے جو اپنے آپ کو بتایا کہ وہ اس عالم نور میں ہیں اور جزو عنصری سے باہر اس کے یہی معنی تھے۔ گو بظاہر ان کا جسد اس عالم مادی میں نظر آتا ہے مگر دراصل وہ ان مادیات سے دور سرو شبستان اعلیٰ میں ہیں اور اُن سے ملنے اور اُن کے جوار میں رہنے کے یہی معنی ہیں کہ گویا انسان اس تیرہ ظلمت کدۂ ارض سے نکل کر لاہوت اکبر کے قریب جا پہنچا۔ پھر وہاں پہنچ جانے کے بعد عبادت کیسی؟

حسین: بجا ہے۔ میرا دور ہو گیا۔ آپ کی تقریر سے ہمیشہ ایسے شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی اطمینان حاصل کرنے کے لیے میں اپنے شبہوں کو بلا تامل آپ کی خدمت میں عرض کر دیتا ہوں۔

شیخ: خیر تم اس امتحان میں بھی پورے اُترے ہو۔ اب تم کو امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ جاؤ اور ان کے احکام کی بلا عذر اطاعت کرو۔ آج صفر کی ۲۰ ہے۔ رمضان کی ۲۷ کو عید قائم قیامت ہو گی۔ اس تاریخ کو میں بھی وہاں آؤں گا اور شیخ طورِ معنی بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اگر اتنے دنوں میں تم نے امام قائم قیامت پر اپنی عقیدت کیشی و اطاعت کا پورا اثر ڈال دیا تو میں بھی تمہاری سفارش کروں گا اور طورِ معنی بھی کریں گے۔ اور اسی وقت تم کو زمرد سے ملنے میں کامیابی بھی حاصل ہو گی۔ مگر خیال رکھو کہ اُس اعلیٰ دربار میں انسان کے سر سے بہت سے تکلیفات شرعیہ اُٹھ جاتے ہیں۔ وہاں کی اطاعت و عبادت صرف انقیاد ہے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر اس کا علاج نہ میرے پاس ہے نہ کسی اور شخص کے پاس۔ اُس درگاہ کا راندہ مردودِ ازلی اور رحمت الٰہی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہے۔

حسین: میں کسی حکم سے سرنہ پھیروں گا۔

شیخ: وہ ایسا مقام ہی نہیں جہاں تم اپنے دل کے شکوک کو اسی بے تکلفی سے ظاہر کرو جس طرح میرے سامنے کرتے ہو۔

حسین: کبھی کسی امر میں شک نہ کروں گا۔

شیخ: اگر اتنے مضبوط ہو تو کل صبح تم یہاں سے روانہ ہو کر الموت کی راہ لو۔ میں ایک خط لکھ دوں گا۔ اسے لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہونا اور جب تک وہاں سے یا مجھ سے کوئی حکم نہ ملے اُس دربار کو نہ چھوڑنا۔

حسین: ہرگز نہیں (یہ کہہ کے اُس نے شیخ کے قدم چوم لیے)۔

دوسرے دن علی الصباح وہ شیخ علی وجودی سے خطِ سفارشی لے کے رخصت ہوا اور مشرق کی راہ لی۔ چند روز میں بغداد و اصفہان ہوتا ہوا علاقۂ رُودبار میں پہنچا۔ اس سفر میں وہ اپنے ہم مذہبوں کو حوروں کے بوسوں کے نشان سے بے کچھ کہے سنے پہچان لیا کرتا تھا' جو ہر شہر و قریہ میں ملتے تھے اور اس کے ساتھ نہایت ہی خلوص و عقیدت سے پیش آتے تھے۔ دیلم کے ایک گاؤں میں ایک باطنی شخص جو اپنی پیشانی کے نشان سے بتا رہا تھا کہ وہ بھی جنت الفردوس کی ہوا کھا آیا ہے' حسین کو نہایت ہی خلوص و پاک دلی سے اپنے گھر لے گیا اور کئی دن تک مہمان رکھا۔

اُس شخص کے گھر پر ایک صحبت میں کئی ایسے باطنی جمع ہوئے جن کو اسی دو سال کے اندر جنت کی ہوا کھلائی گئی تھی۔ لوگوں نے صحبت کو اغیار سے خالی اور اپنے ہم عقیدہ و ہم خیال لوگوں ہی پر محدود دیکھ کے باہم جنت کا تذکرہ شروع کیا۔ اثنائے کلام میں ایک شخص بولا "مگر مجھے جنت میں بھی ایک تمنا رہ گئی۔"

دوسرا: (حیرت سے) وہ کیا؟

پہلا: وہاں ایک ایسی دلفریب نازنین نظر آئی کہ دل بے اختیار ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن خدا جانے کیا بات تھی کہ ہزار کوشش کی مگر اُس آفتِ زمانہ حور نے بات کا جواب تک نہ دیا۔

دوسرا: واقعی تعجب کا مقام ہے۔ جنت میں تو ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ کسی حور کی طرف تمہارے دل کا میلان ہو اور وہ التفات نہ کرے تو یقیناً سارا لطف خاک میں مل جائے گا۔

یہ سن کر ایک تیسرا شخص بول اُٹھا "حقیقت میں اس قسم کے بعض نقصانات وہاں انسان کو نظر آ جاتے ہیں۔ اس مسئلے کو میں نے شیخ کے سامنے بھی پیش کیا تھا جنہوں نے بہت آسانی سے میرا اطمینان کر دیا۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے کہا تھا اور گویا اس وقت بھی میرے کان میں کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے مادی پیکر کے ساتھ ہزار ہا کثافتیں اور دنایتیں لے کے تو اس عالمِ نور میں جاتے ہو اور پھر اُمید کرتے ہو کہ سرو شبستان کو اسی پاک و مجرد حیثیت سے

باب نمبر 14

مردُودِ ازلی

قلعہ الموت کے پھاٹک پر حسین روکا گیا' اور چونکہ اندر داخل ہونے کا اجازت نامہ نہیں پیش کر سکا لہذا وہی خط جو شیخ علی وجودی نے لکھ دیا تھا' اُس سے لے کے قلعہ دار کے پاس بھیجا گیا۔ پھر رُکن الدین خورشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا' جواُن دنوں تمام باطنین کا امام اور علی ذکرۃ السلام کا پوتا تھا۔ خورشاہ کا ہنوز اُٹھتا شباب تھا۔ مگر چونکہ اُن لوگوں کے عقیدے میں امام پیدا ہوتے ہی امام ہوتا ہے' لہٰذا ان کے تقدس و وجاہت میں نوعمری سے کوئی فرق نہیں ہونے پاتا۔ ان کے نزدیک اگر رتبۂ امامت حاصل ہو تو ایک چھ برس کا بچہ اور ساٹھ برس کا بوڑھا دونوں یکساں معصوم ہیں اور دونوں کے احکام یکساں طریقے سے واجب التعمیل ہیں۔ یہ سلطنت اور یہ مذہب دونوں حسن بن صباح کی بے نظیر کوششوں سے قائم ہوئے تھے جس کو اب ڈیڑھ سو برس گزر چکے تھے۔ اور باوجودیکہ دُنیا میں بڑے بڑے انقلاب ہو گئے مگر اس خاندان کا وہی دور دورہ رہا۔ بعض دلیر اور اُولوالعزم حملہ آوروں نے دو ایک مرتبہ یہاں پولیٹکل قوت کو ضرور پہنچایا مگر بعض اثرات پہلے سے زیادہ ترقی پر ہیں اور الموت کا قلعہ اسی طرح مامون و محفوظ چلا آتا ہے جس پر مخالفت کے ساتھ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔

مذہبی مقتدائی کا تاج تو یہاں کے تاجداروں کے سر پر ابتدا ہی سے تھا مگر علی ذکرۃُ السلام نے دعویٰ کیا کہ جب کہ بچہ تھا تو نزارین مستنصر فاطمی کے پوتے سے مخفی طور پر بدل لیا گیا۔ اس وقت ان لوگوں نے علانیہ امامت کا دعویٰ کر دیا اور اب اپنے آپ کو نورِ محض اور لاہوت و ناسوت کا برزخ ظاہر کرتے ہیں۔ جو لوگ بادشاہ یا امام کے احکام بے عذر بے حجت' آنکھیں بند کر کے بجا لاتے ہیں اور جن کے خنجر سے سارا زمانہ کانپ رہا ہے' فدائی کہلاتے ہیں۔ ان کی یہ حالت ہے کہ مقتدا اور فرماں روا کے حکم پر جان دینا اور خودکشی ہی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ انہی فدائیوں کی وجہ سے جو رُعب و داب رُکن الدین خورشاہ کے دربار میں ہے شاید اُس عہد کے کسی بادشاہ کے دربار میں نہ نظر آتا ہو گا۔ یہاں کسی کی اتنی بھی مجال نہیں کہ بادشاہ کے سامنے بے ادبی و مخالفت کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

شیخ علی وجودی کا خط دیکھتے ہی حسین کو باریابی کی اجازت دی گئی حسین نے سامنے جا کے جیسے ہی فرماں روائے الموت کی صورت دیکھی دوڑ کے قدموں پر گر پڑا اور چلایا۔

''ہذا امامی! ہذا امامی'' رُکن الدین اُس کے اٹھانے کے لیے جھکنے ہی کو تھا کہ اہلِ دربار میں سے بعض ممتاز لوگوں نے اُسے اُٹھا کے کھڑا کیا اور کہا ''بے شک یہی امامِ زمانہ ہیں اور نورِ محض ہیں مگر ادب و صبر سے کام لو اور جو التجا ہو پیش کرو۔''

خورشاہ: اے نوجوان آملی! تجھ میں کیا بات ہے کہ وادیٔ ایمن تیری انتہا سے زیادہ تعریف کرتے ہیں وہ تیرے علم و فضل کے بھی مداح ہیں اور تیری بہادری و جاں بازی کے بھی۔

حسین: (ادب سے زمین چوم کر) صرف اس سبب سے کہ میں نے اُن کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا' اور کبھی اس بحرِ حقیقت کے حکم سے انحراف کرنے کی جرأت نہیں کی۔

خورشاہ: اور اب شیخ نے تجھے کس غرض سے یہاں بھیجا ہے؟

حسین: یا امامِ قائم قیامت! میں فردوس کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔

خورشاہ: (غور کر کے) ابھی تک تو اُن لمعاتِ انوارِ لم یزل سے یہی آواز آ رہی ہے کہ لن ترانی۔

حسین: مگر امامِ قائم قیامت کی توجہ نے شفاعت کی تو ممکن نہیں کہ میری آرزو بر نہ آئے۔

خورشاہ: اے ابوالہوس پیکرِ خاکی! ابھی اس کے متعلق تجھے کسی قسم کی اُمید نہیں دلائی جا سکتی۔

یہ کہہ کے خورشاہ ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہونے کو تھا کہ حسین نے آبدیدہ ہو کے پُر درد اور مایوسی کی آواز میں کہا ''تو اس ادنیٰ جاں نثارِ بارگاہِ امامت کو اجازت ملے کہ اس آستانے پر ٹھہر کے اُس وقت کا انتظار کرے جب کہ یہ آرزو بر آئے گی۔ آیندہ عید قائم قیامت کے موقع پر وادیٔ ایمن بھی یہاں تشریف لائیں گے اور کیا عجب کہ اُس دن جب کہ قائمِ قیامت اور امام یک جا ہوں گے اور مخلوق کو خالق سے یا پر تو کو نور سے زیادہ قربت ہو گی میری دُعا قبول ہو جائے۔

خورشاہ: اچھا ٹھہرو۔ مگر یہ خیال رہے کہ یہاں کے امتحان زیادہ سخت ہیں۔

حسین: میں ہر قسم کا امتحان دینے کو تیار ہوں۔

خورشاہ نے اس کے بعد دوسرے شخص کو طرف توجہ کی اور پوچھا ''دیدار کب آئے؟''

دیدار: (ہاتھ جوڑ کے) آج ہی صبح کو۔

خورشاہ: اور جس کام کے لیے گئے تھے وہ پورا ہو گیا؟

دیدار: میرا خنجر کبھی خالی گیا ہے؟ اگرچہ مہم دشوار تھی مگر جنت کے شوق میں وہاں پہنچا اور امام کے حکم کو نہایت کامیابی

PDF KI DUNY

باب نمبر15

حسین یہ خط پڑھتے ہی فوراً قراقرم کی طرف چل کھڑا ہوا۔ راستے میں بار بار اُس کے دل میں آتا تھا کہ تجھے وہاں بھیجنے سے زمرد کی کیا غرض ہے؟ مگر اُس کو وہ خود ہی مٹاتا اور کہتا کہ ان معاملات کے تجسس سے زمرد نے منع کیا ہے۔ تاہم ایک چیز کی اسے بڑی فکر تھی۔ وہ یہ کہ زمرد نے ملکہ کے سوالوں کا سچ سچ جواب دینے کی ہدایت کی ہے اور اس میں ایسے کام کر چکا ہوں جن کے ظاہر کرنے میں ہر جگہ جان کا اندیشہ ہے کیا یہ بتادوں کہ میں نے امام نجم الدین نیشاپوری کو بے خطا وقصور قتل کیا؟ یا امام نصر بن احمد کی نماز پڑھنے میں جان لی؟ اور سب باتیں درکنار وہاں تو شاید اگر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے فرقۂ باطنیہ سے کوئی تعلق ہے تو واجب القتل قرار دیا جاؤں گا۔ کئی مہینے جو منازل سفر طے کرنے میں صرف ہوئے۔ انہی خیالات اور اسی قسم کے تردوات میں گزرے۔ آخر وہ چلتے چلتے ترکستان کی حدود میں داخل ہو گیا اور چند روز بعد خاص شہر قراقرم میں وارد ہوا جو تاتاریوں کا پایۂ تخت تھا۔ قراقرم میں پہنچ کے بھی کئی مہینے گزر گئے مگر شہزادی طبغان خاتون تک رسائی نہ ہوئی جس کے حسن وجمال کے قصے سارے شہر میں مشہور تھے اور کہا جاتا تھا کہ اپنے باپ کے مارے جانے کے صدمے سے تمام لذائذ دنیوی سے علیحدہ ہو گئی ہے۔ آبادی سے باہر اس کا ایک باغ تھا جس میں ایک وسیع اور دلچسپ شکارگاہ بنی ہوئی تھی۔ مگر باپ کے غم نے ایسا یژمردہ کر دیا تھا کہ اُس نے اب اس باغ میں آنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن حسین وسط شہر میں کھڑا تھا کہ ناگہاں غل ہوا ''شہزادی بلغان خاتون آئی ہے۔'' وہ سڑک کے کنارے ٹھہر گیا اور زیادہ انتظار کرنا نہ پڑا تھا کہ ملکہ کئی سہیلیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار آئی اور نکل گئی۔ حسین شاید جرات کر کے اور جان پر کھیل کے ہاتھ میں خط دے دیتا مگر زمرد نے تاکید کی تھی کہ تنہائی میں دینا۔ مایوسی کی صورت بنائے خاموش کھڑا رہ گیا اور جب شہزادی نکل گئی تو دل میں کہنے لگا ''یہ تو مشکل نظر آتا ہے کہ اس نازآفرین ملکہ کی خلوت گاہ تک رسائی ہو۔''

چند روز اور گزر گئے۔ اب سنا گیا کہ شہزادی نے مدت کے بعد باغ اور شکارگاہ میں جانے کا ارادہ کیا۔ حسین کو امید پیدا ہوئی کہ غالباً وہاں موقع مل جائے گا۔ اسی خیال سے پہلے ہی جا کے شکارگاہ میں چھپ رہا۔ وہاں بھی ملکہ بلغان آئی اور چپکے سے ہی چلی گئی۔ حسین کو موقع ملنا تھا نہ ملا۔ کئی دفعہ وہ ملکہ سے دوچار ہوا مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی سہیلی ضرور موجود ہوتی تھی۔

جب حسین کو زیادہ مایوسی ہوئی تو آخر تدبیر یہ کی کہ نوکری کا امیدوار بن کے ملکہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور ملازمت کی درخواست کی۔ اتنے دن قراقرم رہ کے اس نے چند ایسے دوست بھی پیدا کر لیے تھے جنہوں نے اس کی سفارش کی اور اُسے بہ دشواری ملکہ کے داروغہ اصطبل ہونے کی عزت حاصل ہو گئی۔ اس نوکری کے بعد بھی دو مہینے تک اُسے تنہائی میں ملنے کا موقع نہ ملا۔ آخر ایک مرتبہ صبح سویرے جب ملکہ اپنے بستر ناز سے اٹھ کر غسل خانے کو جا رہی تھی اور بالکل اکیلی تھی وہ سامنے آ گیا اور جھک کر سلام کیا۔ بلغان خاتون حسین کو غیر معمولی طور پر سدِ راہ دیکھ کے ٹھہر گئی اور پوچھا ''کیوں؟ کیا بات ہے؟''

حسین: (زمین چوم کے) شہزادی کی خدمت میں ایک خط پہنچانا ہے۔ جس کو لیے ہوئے چھ مہینے سے قراقرم میں پھر رہا ہوں اور صرف اس وجہ سے کہ بغیر تنہائی کے مجھے اس خط کے پیش کرنے کی اجازت نہ تھی' اتنی تاخیر ہوئی اسی غرض کے لیے مجبوراً میں نے شہزادی کی ملازمت اختیار کر لی۔ بڑی بڑی نامرادیوں کے بعد خوش نصیبی سے اس خط کے پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔'' یہ کہہ کے اُس نے زمرد کا خط نکال کر شہزادی کی طرف بڑھایا۔

شہزادی بلغان خاتون تاتاری عورتوں میں ہی نہیں' تاتاری روسا کے بھی خلاف ایک نہایت ہی شائستہ اور تعلیم یافتہ ملکہ تھی۔ وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتی تھی۔ اسی قدر نہیں بلکہ شعرائے فارس کے کلام کی اچھی طرح داد دے سکتی تھی اور مشکل سے مشکل اور بلیغ فارسی کو بوجہ احسن سمجھ لیتی تھی۔ خط کو ہاتھ میں لیتے ہی اس نے غور سے دیکھا پھر لفافے کو سادہ پا کے تعجب سے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا ''یہ خط کس نے بھیجا ہے؟''

حسین: شہزادی کو پڑھنے کے بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ خط کسی انسان کا نہیں بلکہ ایک حور کی طرف سے ہے جس کا نشیمن اُس سروشبستان اعلیٰ اور حیز نور میں ہے۔

بلغان خاتون نے یہ جواب سن کے اور حیرت زدہ ہو کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا ''اگر فردوس بریں کی کسی حور کا خط ہے تو کیوں کر ملا؟ اور تم سے اس کا کیا تعلق؟

حسین: بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اُس کی یاد میں سر دُھنتا ہوں اور کبھی کبھی وہ کوئی خط کسی روحانی ذریعے سے میرے پاس پہنچا دیتی ہے۔

تاتاری شہزادی یہ جواب سن کے اور متحیر ہوئی اور دیر تک حسین کو غور سے دیکھتی رہی۔ پھر دل میں سوچ کر بولی ''اچھا' اس وقت تم جاؤ۔ اس خط کو اطمینان سے پڑھ کر تم کو بلاؤں گی۔''

حسین: (سینے پر ادب سے ہاتھ رکھ کے) بہتر مگر اتنا خیال رہے کہ اس بارے میں جو کچھ دریافت فرمانا ہو' شہزادی

باب نمبر16

بلغان خاتون کا سفر

جس روز حسین نے اپنی مینونشین معشوقہ زمرد کا خط بلغان خاتون کو پہنچایا ہے اُس کے ایک ہفتے کے بعد صبح کے وقت تاتاری شہزادی اپنے بھائی منقو خان کے پاس گئی۔ منقو خان کے دربار میں اس وقت خاندانِ تاتاری کے کئی معزز رؤسا موجود تھے جن کے سامنے وہ کہتے ہوئے جھجکی اور دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ اُس کو چپ دیکھ کے منقو خان نے کہا ''یہ غیر معمولی سکوت کیسا؟''

ایک درباری: شہزادی اپنے والد کے غم کو آج تک نہیں بھولیں۔

منقو خان: ہاں' بلغان۔ اب تو اس غم کو چھوڑ دو۔ اتنے دنوں تک غم والم میں مبتلا رہنا ہماری قومی شجاعت کے خلاف ہے۔

بلغان خاتون: آہ بھائی! یہ بھول سکتا ہے؟ (تھوڑے سکوت کے بعد) خیر۔ اب باتیں تو ہوتی رہیں گی اس وقت میں ایک ضروری کام کو آئی ہوں۔

منقو خان: وہ کیا؟

بلغان خاتون: بھائی' آپ نے بہت سی مہمیں سر کیں مگر اب ارادہ ہے کہ ایک مہم کو میں خاص اہتمام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام دوں۔

اس جملے کو سنتے ہی سب لوگ حیرت میں آ گئے۔ منقو خان نے اُسے گھور کے دیکھا اور پوچھا ''بہن' خیر تو ہے؟ کیسی مہم؟ کیا میرے اسلحہ نے جواب دے دیا ہے؟ فقط تمہارے کہہ دینے کی ضرورت ہے جس ملک یا جس قوم کو کہو میرے جانے کی بھی ضرورت نہیں' ہمارے بہادر سپاہی جائیں گے اور ایک آن میں تہ وبالا کر دیں گے۔

بلغان خاتون: یہ صحیح ہے' مگر میں چاہتی ہوں کہ اس کام کو خاص اپنے ہاتھ سے انجام دوں۔

منقو خان: آخر کون سا کام ہے اور کس پر فوج کشی کا ارادہ ہے؟

اس کے جواب میں بلغان خاتون نے زمرد کا خط اُس کے سامنے رکھ دیا اور کہا ''پہلے اسے پڑھ لیجیے' پھر پوچھیے گا''۔ منقو خان نے خط کو اول سے آخر تک پڑھا لیکن ختم کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے غضب آلود چشم اور زخم شدہ ہونٹوں سے خط کو تمام کر کے غصے سے پھینک دیا اور کہا ''بہتر! مطمئن رہو۔ میں کل ہی بلاکو خان کو لکھتا ہوں۔''

بلغان خاتون: تم جا کے کیا کرو گی؟ جنگ و پیکار تمہارا کام نہیں۔

بلغان خاتون: اسی خیال کو میں دنیا سے مٹا کے ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ عورتیں بھی ویسی ہی بہادر ہیں جیسے مرد۔ اگر موقع دیا جائے تو وہ کسی امر میں مردوں سے کم نہیں رہیں گی۔ اور ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں لڑنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔

منقو خان: بے شک ہوگی۔ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔ باقی رہی عورتوں کی شجاعت' میں تسلیم کرتا ہوں کہ عورتوں کی حکومت مردوں سے بڑی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے تاجدار اور بڑے بڑے صف شکن جو عالم کے تخت اُلٹ دیتے اور ساری دنیا کے بہادروں کے دست وبازو تھکا دیتے ہیں' ان پر بھی جو حکومت کرتا ہے' وہ عورت ہے۔ مگر عورت کے اسلحہ دوسرے ہیں۔ وہ تیر اور خدنگ' شمشیر و خنجر سے نہیں لڑتی بلکہ اپنے حریفوں پر تیر نظر' خدنگ ناز' شمشیر ابرو اور خنجر مژگاں سے فتح یاب ہوتی ہے۔ لیکن عورت کے اسلحہ اس میدان جنگ میں کارگر نہیں ہو سکتے جس میدان میں تم جانا چاہتی ہو۔ ایسے میدانوں کی فتح مردوں ہی کے اسلحہ کے نام پر ہے۔''

بلغان خاتون نے اس جواب پر شرمندہ و کے سر جھکا لیا۔ مگر نیچی نظروں میں اس نے پھر متانت پیدا کی اور کہا ''بھائی ایسا نہ سمجھیے میں اسی طرح بہادری اور جان بازی سے مقابلہ کروں گی جس طرح کسی بہادر تاتاری لڑکی کو کرنا چاہیئے۔

منقو خان: یہ میں جانتا ہوں مگر جس وقت تک ہم لوگ زندہ موجود ہیں تم سی نازنین کو میدان جنگ میں قدم رکھنے کی زحمت نہیں دی جا سکتی۔ اور آخر تمہارے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

بلغان خاتون: یہ صرف میرا کام ہے اور اپنے فرض سے میں آپ ہی سبک دوش ہونا چاہتی ہوں۔

منقو خان: خیر' ایسا ہی شوق ہے تو چلو۔ مگر میں بھی ساتھ چلوں گا۔ یہ مجھ سے گوارا نہیں ہو سکتا کہ خاندان مغلیہ کی ایک معزز شہزادی اپنے نامور عزیزوں کے ہوتے ہوئے تن تنہا میدانِ کارک راز میں قدم رکھے۔

بلغان خاتون: مگر بھائی' وہاں کسی لڑائی کی اُمید نہیں۔ ہمارے چند سپاہی بھی ہوں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔

منقو خان: یہ نہ سمجھو جو لوگ سردار کے ایک ادنیٰ اشارے پر جان دینے کو تیار ہو جائیں' ان سے ڈرنا چاہیئے۔

بلغان خاتون: بے شک ہمارا ایسا ہی رعب ہے مگر پھر بھی ایک قدیم اور ڈیڑھ سو برس کے شاہی و مذہبی خاندان کو جڑ

UrduPoint.com
PDFKIDUNY

بلغان خاتون: فردوسِ بریں میں تم پہنچ گئے۔ اب مطمئن رہو۔ زمرد سے بھی ملوادوں گی۔
حسین کو جنت میں پہنچ جانے کا یقین ہوگیا۔ شہزادی کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی اُس کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا۔
''آپ نے اس راہ میں میری رہبری کی ہے۔ مجھے اب شیخ علی وجودی سے بھی دستگیری کی اُمید نہ تھی۔ آپ کا یہ احسان ہمیشہ میرے لوحِ دل پر نقش رہے گا۔''
بلغان خاتون: (حسین کو زمین سے اُٹھا کے) ذرا صبر و تحمل سے کام لو۔ زمرد سے ملنے کے لیے شرط ہے کہ چپکے سے ساتھ ساتھ چلے چلو۔ ایسا اضطراب کرو گے تو کام بگڑ جائیگا۔ یہ کہہ کے شہزادی نے پھر زمرد کا خط نکال کے پڑھا اور دونوں ہمراہیوں کو ساتھ لیے ہوئے ایک جانب چل کھڑی ہوئی۔ چند منٹ میں وہ قصروں اور کوشکوں کے قریب تھی۔
حسین اس نظر فریب سین کو کھڑا نہایت ہی حیرانی و ازخودفتگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ ناگہاں ایک حسین و نازنین عورت شہزادی کے سامنے آئی اور اس کے پاؤں چومنے کو جھکی۔
بلغان خاتون: تم کون ہو؟ (مگر اس کے ساتھ ہی حسین کی نظر اُس پر جا پڑی۔ ایک بے اختیاری و خودفراموشی کے جوش میں اس کی زبان سے نکلا ''زمرد'' ''زمرد!'' اور دوڑ کے اُس لپٹ گیا)۔
زمرد: (سین کو علیحدہ کر کے) ذرا صبر سے کام لو۔ پہلے مجھے شہزادی کے سامنے اپنی احسان مندی ظاہر کرنے دو۔
بلغان خاتون: تو تم ہی زمرد ہو۔ (یہ کہہ کے اس نے زمرد کو گلے سے لگالیا اور بولی) ''بہن، میرا کیا احسان ہے۔ ہاں، تمہاری البتہ انتہا سے زیادہ شکرگزار ہوں۔ اگر تم مدد نہ کرتیں تو مجھے غم و اُلم نجات نہ ملتی۔
زمرد: (مسکرا کے اور کسی قدر ندامت سے) مگر شہزادی، اس میں میری خودغرضی بھی تو تھی۔
بلغان خاتون: اسے خودغرضی نہ کہنا چاہیئے۔ یہ اس سادہ لوح نوجوان پر تمہارا احسان ہے کہ اپنی محبت سے اسے عزت بخشی اور اتنے بڑے اور اس قدر گہرے فریب سے نجات دلائی۔
اس کے بعد زمرد حسین کی طرف متوجہ ہوئی اور پوچھا ''اب تو تم پر سارا راز کھل گیا؟''
حسین: راز کیسا؟ میں نے شہزادی کے حکم کی اطاعت کی اور صرف اس وجہ سے کہ تمہاری ہدایت تھی۔
بلغان خاتون: نہیں۔ ابھی میں نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نہ تمہارا کوئی خط دکھایا ہے۔ مگر جب سے یہ باغ داخل ہوئے ہیں انتہا سے زیادہ پریشان اور بدحواس ہیں۔ اب اپنے ساتھ لے جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ دو تا کہ ان کی وحشت ذرا دور ہو اور آدمی بنیں۔
زمرد: افسوس! غلطی میں یہ ایسے ایسے کام کر چکے ہیں کہ اطمینان تو انہیں بڑی مشکلوں سے نصیب ہوگا۔
بلغان خاتون: لیکن اب یہی مصلحت ہے کہ انہیں اپنے قصر میں لے جاؤ اور کوشش کرو کہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اُٹھ جائے۔ مگر ہاں پہلے مجھے یہ بتادو کہ یہاں کسی کا خوف تو نہیں؟ تمہارے لکھنے کے مطابق میں آنے کو تو چلی آئی مگر اندیشہ ہے کہ کوئی خرابی نہ اُٹھ کھڑی ہو۔
زمرد: شہزادی آپ مطمئن رہیئے۔ کسی بات کا اندیشہ نہیں۔ آج شام تک آپ یہاں بے کھٹکے رہ سکتی ہیں۔ مگر وہ جو میں نے لکھا تھا، اس کا بھی بندوبست آپ نے کر لیا ہے؟
بلغان خاتون: سب سامان کر چکی ہوں۔ اگرچہ اس کے متعلق مجھے ذرا سا تردد ہے۔
زمرد: وہ کیا؟
شہزادی: خیر، کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کو پھر بیان کروں گی۔
یہ کہہ کے اُس نے باقی ماندہ جوان کو بھی جو ساتھ آیا تھا کچھ کان میں کہہ کے واپس بھیجا اور زمرد سے پوچھنے لگی ''یہ بتاؤ، قلعے پر کدھر سے حملہ ہوسکتا ہے؟''
زمرد: آپ قلعے میں ہیں۔ مگر اتنا حصہ قلعے سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ غیر لوگ نہر ویرنجان کے ذریعے سے اور بیرونی دیوار کے نیچے سے نکال کے لائے جاتے ہیں مگر اسی نہر کے اس طرف خورشاہ کا محل ہے۔
حسین: (چونک کر) خورشاہ کا محل! وہ یہاں کہاں؟ وہ تو قلعہ الموت میں ہے۔
بلغان خاتون (ہنس کے) اب انہیں ان کے قصر دری میں وہیں پہنچا دو جس کے دیکھنے کا انہیں شوق ہوگا۔ باقی باتیں پھر آ کے کرنا۔ یہ اگر یہاں موجود رہے تو بات بھی نہ کرنے دیں گے۔
زمرد: بے شک شہزادی آپ بجا فرماتی ہیں۔ انہیں وہاں بٹھا کے ابھی آتی ہوں۔
یہ کہہ کے اُس نے حسین کا ہاتھ ہاتھ میں لیا، جو ایک خودفراموشی کے عالم میں کھڑا تھا اور شہزادی کو تنہا چھوڑ کے اُسے کھینچتے ہوئے اپنے قصرِ دری میں لے گئی۔ حسین راستے بھر اس سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا مگر زمرد نے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا کہ پھر بتاؤں گی اور اُسے قصر میں بٹھا کے شہزادی کے سامنے واپس آئی۔

PDF KI DUNYA

باب نمبر18

افشائے راز

حیرت زدہ وحواس باختہ نوجوان حسین کو زمرد شہزادی کی تجویز کے مطابق قصر وری میں چھوڑ کے واپس گئی تو وہ گھبرا کے ایک ایک کو دیکھتا اور اپنے دل سے پوچھتا تھا کہ کیا حقیقت میں یہ وہی مقام ہے جہاں وہ امامِ قائم قیامت کی مدد سے آیا تھا۔ مگر وہ تو ملا اعلیٰ پر تھا اور یہ زمین ہی پر ہے۔ لیکن کیوں کر شک کیا جائے۔ خود زمرد بھی تو موجود ہے۔ اگر یہ کوئی دنیاوی باغ ہے تو وہ کیوں کر چلی آئی؟ خود اسی نے لکھا تھا کہ جنت میں ہوں اور فردوسِ بریں کی سیر کر رہی ہوں۔ آخر اسے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟

اس کے بعد وہ محل کے برآمدے میں جا کھڑا ہوا اور ہر ایک عمارت ایک ایک چمن کو غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ ہر چیز وہی اور ویسی ہی تھی۔ جیسی کہ پہلے نظر سے گزری تھی' قصروں کی روکار پر اسی طرح جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ان کی وضع بھی ویسی ہی تھی۔ چمنوں کا بھی وہی رنگ اور وہی نقشہ تھا۔ سڑکیں اور روشیں بھی اسی طرح رنگ برنگ اور نظر فریب تھیں۔ سونے چاندی کے تخت وتاج بھی اُسی پہلی شان سے تھے۔ نہریں بھی اُسی مستانہ روی سے بہ رہی تھیں۔ ہاں صرف ایک چیز کی کمی تھی اور وہ وجد میں لانے والا گانا تھا۔ مگر جب اُس نے طیور کی زبان سے وہی ترانہ خیر مقدم سن لیا تو ادھر سے بھی شک جاتا رہا۔ وہ اسی پس وپیش میں تھا کہ ایک طائر نے ایک تازہ اور شاداب سیب اپنی چونچ میں لا کے سامنے ڈال دیا۔ وہ چونک کے بول اُٹھا ''یہ بھی خاص فردوسِ بریں کی علامت ہے۔''

حسین کے حالات میں ایک عجیب قسم کا تردد واضطراب تھا۔ یہ معما کسی طرح حل ہونے میں نہ پایا تھا کہ سامنے سے زمرد نظر آئی جو شہزادی سے رخصت ہو کے اُس کے پاس آ رہی تھی۔ اس کی دل ربا اور ناز آفریں صورت دیکھتے ہی فورِ جوش سے حسین کا دل دھڑکنے لگا اور عشق کے جذبات نے یک بیک ایسی بے اختیار حالت طاری کی برآمدے سے اُتر کے استقبال کو دوڑا اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

حسین: پیاری زمرد! اللہ بتاؤ کہ میں کس عالم میں ہوں اور یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟

زمرد: (مسکرا کے) وہی دیکھ رہے ہو جو ایک دفعہ دیکھ چکے ہو۔

حسین: یعنی وہی ملاءِ اعلیٰ پر ہوں؟

زمرد: واقعی۔ جو ساز وسامان نظر آ رہا ہے اس لحاظ سے اس جگہ کو ملاءِ اعلیٰ ہی کہنا چاہیئے۔

حسین: کہنا چاہیئے؟ تو کیا اصل میں نہیں؟

زمرد: تم اپنے دل سے پوچھو۔ تم نے اس مقام کو زمین پر پایا آسمان پر؟

حسین: آیا تو زمین ہی کے راستے ہوں۔

زمرد: تو زمین ہی پر سمجھیں۔

حسین: مگر کیوں کر سمجھوں؟ تمہاری قبر پر تمہارے سے وہ خطوط یہاں تک آنے کے ذریعے ہیں۔ ان تمام باتوں میں سے جس چیز کا خیال کرتا ہوں' اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کوئی اور عالم ہے اور یہاں کی مسرتیں دُنیاوی مسرتوں سے بالا ہیں۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں قصر میں داخل ہوئے اور زمرد نے کہا ''یہاں کی مسرتیں تو بے شک دُنیا کی مسرتوں سے بالا ہیں مگر یہ نہ سمجھو کہ تم دُنیا سے نکل کے کسی اور جگہ آ گئے ہو۔

حسین: پھر وہ سب واقعات جو گزر چکے ہیں' اُن کی نسبت کیا خیال کروں؟

زمرد: یہ سب میری مجبوری' میری بے دست وپائی اور تمہاری سادہ لوحی کا نتیجہ ہے۔

حسین: میں اس کا مطلب نہیں سمجھا؟

زمرد: گھبراؤ نہیں۔ سب سمجھ جاؤ گے۔ مگر افسوس! جس قدر زیادہ سمجھو گے' اُسی قدر زیادہ پریشان ہو گے اور اپنے کیے پر پچھتاؤ گے۔

حسین: زمرد! اب مجھے تیری صورت پر بھی شبہ معلوم ہوتا ہے۔ تو وہی زمرد ہے جو میرے ساتھ آمل سے آئی تھی؟

حسین کی زبان سے یہ سادگی کا سوال سن کے زمرد کو ہنسی آئی مگر ضبط کیا اور ایک عجیب دل فریب ادا کے ساتھ پُر معنی اور شوخ چتونوں سے دیکھ کے بولی ''نہیں۔ دوسری ہوں۔'' اس جواب کو حسین نے سنا ہی نہیں۔ اس نے زمرد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور غور سے دیکھ کے بولا ''وہی نورانی جسم ہے یا میرے ہی جسم کا سا مادی پتلا؟''

زمرد: ہوش کی باتیں کرو۔ تم بالکل از خود رفتہ ہوئے جاتے ہو۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے سے ایک بہت بڑا طلسم ٹوٹا ہے جس کے ذرے تمہارے حواس بھکانے نہیں رہے۔ ذرا ہوش میں آؤ اور حواس کی باتیں کرو کہ سارا راز' تمام سرگذشت بیان کروں۔

UrduPoint.com
PDF KI DUNY

قسط نمبر 19

زمرد: وہ گدھا یہیں سے بھیجا گیا تھا۔ جس وقت تمہارے نام کا خط قبر پر رکھوایا گیا تھا۔ اُسی وقت وہ گدھا ایک دوسرے راستے سے بھیج کر اُس درخت سے بندھوایا گیا تھا۔

حسین نے اس جواب کو حیرت سے سنا اور بولا "عجب! مگر پھر بھی میرے شبہات دور نہیں ہوتے۔ آخر شیخ وجوی کو میرے سب حالات کیوں کر معلوم ہو گئے؟ وہ یہاں سے دس ہزار کوس کے فاصلے پر ہیں۔"

زمرد: تمہارے روانہ ہونے کے ساتھ ہی اُن کو تمام واقعات کی خبر دی گئی تھی۔ اُن کو لکھ بھیجا گیا تھا کہ امام نجم الدین کے بھتیجے، شاگرد اور مرید سے اُن کے قتل کا کام لینا ہے اور وہاں پہنچنے سے پہلے تم کو ہ جودی کے غار اور خلیل کے تہ خانے میں چلہ کھینچو گے۔ یہ سب باتیں ان کو دوسرے ذریعے سے معلوم ہو چکی تھیں مگر انہوں نے غیب دانی اور کرامت کی شان سے بیان کر کے تمہیں اپنا فریضہ بنا لیا۔

حسین نہایت ہی متعجب تھا۔ وہ حیرت کے دریا میں غرق تھا اور کسی طرح رہائی نہ ملتی تھی۔ زمرد اپنی بات پوری کر کے خاموش ہو گئی اور وہ سوچ میں پڑ اتھا کہ آخر اس نے سخت حیرت زدگی کی شان سے آنکھیں اٹھا کے دیکھا اور کہا اور یہ سب باتیں تو سچ کہہ رہی ہے یا مجھے دھوکا دے رہی ہے؟ مجھے تو اپنی گزشتہ زندگی ایک خواب سی معلوم ہوتی ہے۔ مُتردد ہوں کہ اس ملاقات اور ان سب باتوں کو خواب سمجھوں یا ان تمام واقعات کو جو تجھ سے جدا ہونے کے بعد پیش آئے؟ کیا حقیقت میں میں اتنا بڑا بے وقوف ہوں کہ ایسے عظیم الشان فریب اور جہل میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن زمرد اگر یہ سب سکھائی باتیں تھیں تو علی وجودی کو اُسی قدر حال معلوم ہوتا جس قدر کہ یہاں بتایا گیا تھا۔ یہ کیوں کر معلوم ہو گیا کہ میں شہر خلیل کے مجاورون کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔

زمرد: حسین، تم حقیقت میں بڑے سادہ لوح ہو۔ اس کا سبب میں بغیر جانے سمجھ گئی اور تم نہیں سمجھ سکے۔ لیکن در حقیقت تم مجبور ہو۔ تمہارے دل و دماغ پر ہر طرف سے اتنا اثر ڈالا گیا کہ بمشکل ان باتوں کو اپنے دماغ سے نکال سکتے ہو۔ تم کو نہیں معلوم کہ باطنین دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان سازشوں کا جال ہر گاؤں اور چھوٹے قصبے تک پڑا ہوا ہے۔ علی وجودی کے ساتھ تم پورے ایک سال رہے۔ ممکن نہیں کہ اُس کا حال تمہیں نہ معلوم ہو گیا ہو۔

حسین: ہاں، میں نے البتہ یہ دیکھا کہ ان کے معتقد تمام اطرافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر سال اک دفعہ اُن کی زیادت کو بھی آتے ہیں۔ اور مجھے یہ بھی نظر آیا کہ وہ لوگ پوشیدہ طور پر اور صرف رات کو مل کے چلے جاتے ہیں۔

زمرد: اسی سے سمجھ سکتے ہو کہ اُن کے کان میں خبریں پہنچنے کے کتنے بڑے ذریعے موجود ہیں۔ تم نے جس وقت اس وادی کو چھوڑا تھا آخر دروِد تک ہر منزل اور ہر مقام پر تمہاری نگرانی ہوتی ہو گی اور تمہاری روز روز کی خبر علی وجودی کو پہنچتی ہو گی۔ کچھ تم ہی پر منحصر نہیں، ان باطنیں کے پنجے ہیں جو شخص پڑتا ہے، اسی طرح نظروں میں رکھا جاتا ہے پھر کیوں تعجب کی بات تھی اگر تمہاری شہر خلیل کی گرفتاری کا حال اُن کو معلوم ہو گیا۔

حسین: مجھے اس پر حیرت نہیں۔ حیرت کو تو یہ بات ہے کہ شیخ کہتے تھے اُنہی کے اشارے سے باطنین نے حملہ کر کے مجھے قید سے آزاد کرایا۔

زمرد: کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بے شک اسی وجودی نے تمہارے چھڑانے کے لیے اپنے معتقدوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا ہو گا۔

حسین: مگر کیوں کہ حکم دے دیا ہو گا؟ میری گرفتاری کی خبر پہنچنے اور وہاں سے حملے کا حکم آنے میں بھی آخر زمانہ لگتا ہے۔ وہاں تو یہ واقعہ پیش آیا کہ جس رات کو میں نکلنے والا تھا، میرے باہر آنے سے پیشتر ہی خلیل کا حاکم باطنین کے ہاتھ سے قتل ہوا اور پھر میں گرفتار ہوا تو اُس کو پورا ایک دن نہیں گزرنے پایا تھا کہ اُن کا ایک بڑا گروہ شہر میں آپڑا۔ ان تمام باتوں کی تکمیل اتنی جلدی کیون کر ہو سکتی ہے؟

زمرد: (ذرا تامل کر کے) یہ کون مشکل ہے۔ باطنین کو معلوم ہو گا کہ تم کس روز تہ خانے میں اترے تھے اور کس روز نکلو گے۔ اس زمانے میں انہوں نے شیخ علی وجودی کو خبر کر کے مدد کرنے کا اشارہ پا لیا ہو گا۔ اُسی کے مطابق دن گنتے رہے اور ٹھیک چالیسویں دن جس دن تم نکلنے والے تھے انہوں نے رئیس شہر کو قتل کر ڈالا لوگ دوسری فکر میں رہیں اور تم چپکے سے نکل کے بھاگ جاؤ۔ مگر جب انہیں خبر پہنچی کہ اُس رئیس کے قتل سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور تم مجاورون کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تو انہوں نے حملہ کر کے شہر میں کھلبلی ڈال دی اور تمہیں چھوٹ کے بھاگ جانے کا موقع مل گیا۔

حسین: (زور سے سرد آہ بھر کے) تو زمرد افسوس! یہ سب جھوٹ تھا۔ شیخ علی وجودی کا سا شخص اور اتنا بڑا مکار! کیونکر کہوں، زمرد! ان کرامتوں اور اس غیب دانی کے علاوہ ان کا علم و فضل اس پائے کا ہے اور ان کے ہر ہر لفظ سے

PDF KI DUNY

ADMIN

MUHAMMAD NADEEM

0331-6362354

ALL NEWS NETWORK

News Headlines . Daily News Papers .

Job Adds Daily.Sports Headlines .

Weather Update . Breaking News

Teachers r Great

Only Teachers & Educational

Material Allowed

PDF KI DUNIYA

Only PDF Allowed

PDF KI DUNYA

باب نمبر 20

زمرد: اصل میں میں صرف ایک حور بنانے کے لیے لائی گئی تھی۔ خورشاہ اور اُس کے ہمراز اہل دربار کو ہمیشہ کسی خوبصورت عورت کی جستجو رہتی ہے تا کہ اس کے حسن و جمال سے جنت میں زیادہ دل چسپی پیدا کریں۔ جب میں خورشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو بدنصیبی سے اس کی نظر میں معمول سے زیادہ اور جنت کی تمام حوروں سے بڑھ کر خوب صورت ثابت ہوئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ مجھے خاص اپنے لیے مخصوص کر لے۔ میں یہ خبر سن کے انتہا سے زیادہ پریشان ہوئی اور آخر دل میں فیصلہ کیا کہ چاہے مار ڈالی جاؤں مگر بے عزتی کو گوارا نہ کروں گی۔ ابتدا میں مجھے طرح طرح کے لالچ دیے گئے۔ بتایا گیا کہ اُس کی بی بی ہونے کے بعد تاج میرے سر پر رکھا جائے گا اور میں ایک عالی مرتبہ ملکہ ہوں گی۔ مگر میں نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ جب اُسے میری رضامندی سے مایوسی ہوئی تو وہ ظلم پر آمادہ ہوا اور مجھے طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں۔ اڑھائی مہینے اسی حال میں گزرے ہر گھڑی ہر پل موت کا انتظار کرتی تھی۔

معشوقۂ باوفا کی یہ مصیبت وفاکیشی سن کے حسین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹھنڈی سانس لے کے کہنے لگا ''زمرد میرے لیے تو نے بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔''

زمرد: یہ مصیبت نہ تھی بلکہ میں اس کو راحت سمجھتی تھی۔ اس لیے کہ بے عزتی اور آبروریزی سے بچی ہوئی تھی۔ اب خورشاہ ناکامی کے غصے میں میرے قتل پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن اتفاق سے کسی دوست نے رائے دی کہ ایسے کام جن کا کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے سے تعلق ہو، ظلم و جور اور زبردستیوں سے نہیں نکلتے۔ بہتر یہ ہوگا کہ زمرد چند روز کے لیے جنت کے ایک محل میں چھوڑ دی جائے۔ وہاں جب ایک عرصے تک راحت و عشرت میں رہے گی تو اپنے رنج و غم بھول جائے گی اور آخر جوانی کے جذبات غالب آ کے اُسے خود ہی آپ کی معشوقہ بننے پر آمادہ کر دیں گے۔ یہ رائے اُسے پسند آئی اور میں اُس کے محل سے لا کے اس جنت اور اسی قصر میں رکھ دی گئی۔ یہ ایسا محفوظ مقام ہے کہ خورشاہ کے خیال میں بھی نہ تھا کہ یہاں کبھی پرندہ پر مار سکے گا۔ باہر کا کوئی شخص نہ آ سکتا تھا۔ جو معتقد بنانے کے لیے بھی لائے جاتے تھے تو اُن کی طرف سے نگرانی ہوتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ سوائے ایک دو بات کرنے کے میں ان سے زیادہ مل بھی نہ سکوں اوروں پر کیا منحصر ہے جب تم سے ملی ہوں اُس وقت بھی ان اُمور کی پوری نگرانی ہوتی تھی۔ یہ مجال نہ تھی کہ سوائے تمہارے بہکانے اور بہلانے کے میں تم سے ذرا بھی بے تکلف ہو سکوں۔ اب مجھے ہر بات کا آرام تھا۔ رات دن عیش و عشرت میں گزرتی تھی۔ خورشاہ کے اشارے کے موافق یہاں کی تمام حوریں میری لونڈیاں بنی رہیں۔ وہ ہر وقت میرا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ حسین، یہ سب سامانِ عشرت موجود تھا مگر میرے دل کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ تمہاری صورت ہر گھڑی آنکھوں کے سامنے رہتی اور طرح طرح کی تدبیریں سوچا کرتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے بھاگوں۔ انہی دنوں تمہارے قتل کے بارے میں مشورے ہوتے اور میرا لہو خشک ہوا کرتا۔ ایک رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے ایک لق و دق میدان میں کھڑی ہوں۔ ناگہاں سامنے سے تم آئے اور مجھے سے ملنے کو بے تحاشا دوڑے۔ یکا یک کسی شخص نے ایک درخت کی آڑ سے نکل کر تمہارے سینے میں ایک چھڑی ماری تم زخم کھاتے ہی سینہ پکڑ کے کھڑے ہو گئے اور میں بے اختیار روتی اور چیخیں مارتی تمہارے قریب دوڑی پس اسی حال میں چیختے چیختے میری آنکھ کھل گئی۔ اب کہاں چین پڑ سکتا تھا۔ باقی رات میں نے رو رو کے بسر کی اور صبح کو حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ مرجان نام یہاں کی حور جو مجھ سے کسی قدر مانوس ہو گئی تھی اور جس سے میں کبھی کبھی دو ایک باتیں کر لیا کرتی تھی، میرے پاس آئی اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولی ''زمرد تم نے کچھ اور بھی سنا؟ وہ نوجوان حسین جو تمہارے ساتھ تھا اب تک اُسی وادی میں تمہاری قبر سے لپٹا بیٹھا ہے۔'' اس موقع پر مجھے ضبط سے کام لینا چاہیئے تھا مگر رہا نہ گیا۔ بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس لے کے بول اُٹھی ''حسین اب تک وہیں ہیں؟''

مرجان: ہاں مگر اب یقین ہے کہ ایک دو ہی روز میں وہ مقام ان سے خالی ہو جائے گا۔ میں نے گھبرا کے پوچھا ''کیوں؟''

مرجان: وہ مقام ہم لوگوں کی سیرگاہ ہے اور اسی سبب سے خورشاہ چاہتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص نہ رہے جو ہمارا راز نہ جانتا ہو۔ تمہارے ساتھی نوجوان کی نسبت پہلے تو یہ خیال تھا کہ جب بالکل مایوسی ہو جائے گی تو چلا جائے گا۔ اسی غرض سے تمہاری قبر بنا دی گئی ہے۔ پتھر پر تمہارا نام کندہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے مرنے کا اُسے یقین ہو جائے اور واپس ہو جائے اور لوگوں کو بھی ادھر آنے سے روکے۔ مگر یہ تدبیر بیکار گئی۔ لہٰذا مجبور ہو کر یہ تجویز قرار پائی کہ جس طرح بنے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

''حسین میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ جملہ سنتے ہی میرے دل کی حالت کیا ہوئی۔ میں گھبرا کے بالکل بے اختیاری کے ساتھ کہہ اُٹھی، تو پھر مجھے بھی مار ڈالو۔''

PDF KI DUNY

باب نمبر 21

میں: (چونک کر) ہائے! یہ تو بڑا ظلم ہے۔ وہ بڑے باخدا عالم ہیں۔ حسین کے استاد ہیں اور انہیں کے وہ مرید ہیں۔ اس کے بعد میں دل میں افسوس کرتی رہی کہ یہ ظالم ناحق ایک باخدا شخص کی جان لیتے ہیں اور انہی خیالات کی وجہ سے میں نے رات کو کئی پریشان اور مہیب خواب دیکھے۔ دوسرے دن اٹھی ہی تھی اور آفتاب اچھی طرح بلند نہیں ہونے پایا تھا کہ مرجان آئی اور کہنے لگی "چلو زمرد تمہیں خورشاہ نے بلایا ہے۔"

میں: (پریشانی کی صورت بنا کے) کیوں؟

مرجان: میں کیا جانوں۔ مگر اسی وقت چلو۔

"مجبوراً میں اُس کے ساتھ گئی اور وہاں جا کے دیکھا کہ وہ تو ایک خوبصورت لڑکی کے ہاتھ سے جامِ شراب پی رہا ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی بولا۔

خورشاہ: تم کسی طرح حسین کے خیال کو نہیں چھوڑتیں۔ اگر میری آرزو پوری کرنے کا قرار کرو تو تمہیں اُس سے ملا دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔

"یہ الفاظ سنتے ہی میرے دل میں ایک خفیف سی مسرت پیدا ہوئی۔ مگر اُس کی شرط بالکل ایسی تھی جیسے شربت کے جام میں زہر ملا ہوتا ہے۔ میں نے کسی اور خیال کو دل میں دبا کے کہا "اگر آپ کے رحم نے مجھے اُن سے ملا دیا تو زندگی بھر لونڈی رہوں گی۔"

"میرے اس جواب سے وہ خوش ہوا اور فوراً ایک دوسرے خط کا مسودہ دے کے کہا "اس کو اپنے قلم سے صاف کر دو۔" میں نے مسودہ ہاتھ میں لے کے قبل اس کے پڑھا ہو خورشاہ کی طرف دیکھ کے پوچھا "اب تو حسین اس وادی سے چلے گئے ہوں گے۔"

خورشاہ: نہیں۔ اُس نے تمہارے خط کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اُسی طرح قبر کا مجاور بنا بیٹھا ہے۔ تم اُسے باوفا اور سچا عاشق سمجھتی تھیں مگر وہ تمہاری پروا بھی نہیں کرتا۔ اس دل کش وادی میں اس کا ایسا دل لگ گیا ہے کہ اب تمہارے حکم کو بھی نہیں مانتا۔

میں: نہیں وہ ایسے ہی باوفا ہیں جیسا کہ میں سمجھتی ہوں۔ جس طرح میری جدائی گوارا نہ تھی اسی طرح اب انہیں میری قبر کی مفارقت گوارا نہ ہوگی۔

حسین: (جوش میں آ کے) بیشک زمرد۔ صرف اسی خیال سے میں نے تیرا حکم نہیں مانا۔

زمرد: خیر میری زبان سے یہ باتیں سن کے اس نے ایک حیرت کے ساتھ گھور کے دیکھا اور کسی قدر پست آواز میں بولا "یہ مسودہ جلدی صاف کر دو کہ وہ تم سے ملنے کا سامان کرے۔ مجھے اُس مسودے کے پڑھتے ہی حیرت ہوگئی۔ پڑھتی جاتی تھی اور دل میں کہتی جاتی تھی کہ یہ لوگ کس قدر مکار اور فریبی ہیں۔ بہر حال میں نے خط صاف کر کے دے دیا اور چلی آئی۔ دوسرے دن مجھے مرجان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ خط تمہارے پاس بھیج دیا گیا اور اس سے یہ غرض تھی کہ تمہیں شیخ علی وجودی کا معتقد بنا کے انہی کے ذریعے سے امام نجم الدین نیشاپوری تمہارے ہاتھ سے قتل کرائے جائیں۔ اس صلے میں تم جنت کی سیر کرو اور مجھے تم سے ملنے کا موقع ملے۔ حسین کیا کہوں۔ یہ حال معلوم ہوتے ہی میں نے اپنے اوپر کتنی لعنت ملامت کی۔ دل میں ڈرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تم اُن کے خون میں اپنے ہاتھ رنگ لو۔ دُعا کرتی تھی کہ خدا کرے پہلے خط کی طرح تم اس خط پر بھی عمل نہ کرو مگر جب معلوم ہوا کہ یہاں کے بھیجے ہوئے گدھے پر سوار ہو کے تم روانہ ہو گئے تو دل میں اور ڈری اور دعا کرنے لگی کہ خداوند! حسین کو اس گناہ سے بچا۔ مگر بدمدت کے جب معلوم ہوا کہ اب دو ہی تین دن میں تم جنت میں آیا چاہتے ہو، مجھے یقین ہو گیا کہ تم ان ظالموں کے پھندوں میں پھنس گئے ہو۔ جب تم اُس وادی کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہاں کی حوریں اکثر اوقات سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جانے لگیں، جن کے ساتھ خورشاہ کی اجازت سے میں بھی کبھی چلی جاتی تھی اور اپنی قبر کو دیکھ کے تمہارے خیال سے اکثر دل ہی دل میں روتی تھی۔

جب تم جنت میں آئے۔ اُس سے پہلے مجھے بتا دیا گیا کہ تم سے کیوں کر ملوں کس قسم کی باتیں کروں اور تمہارے اعتقاد کو کس طرح بڑھاؤں۔ اُمید تھی کہ اس کے ذرا بھی خلاف ہوا اور ذرا سا بھی راز تم پر ظاہر ہو گیا تو تم سے پہلے مار ڈالی جاؤں گی۔ پھر ہر وقت یہاں میری اور تمہاری نگرانی ہوتی رہتی تھی اور مجھے تم سے ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے تمہاری یہ حالت نظر آئی کہ جیسے تم کچھ کہوں گی تو تم اُسے ضبط کر کے چھپا سکو گے۔ اسی خیال سے میں نے کچھ نہ کہا۔ تاہم موقع پا کے اتنا اتنا دیا تھا کہ نا اُمیدی کی حالت میں میری قبر پر آنا اور آخر اسی تدبیر سے خدا نے کامیاب کیا۔ مگر حسین، میں نے خورشاہ کے ہاتھ سے تمہارے لیے بڑے بڑے ظلم اُٹھائے۔ برائے نام اس جنت میں تھی۔ تمہارے جانے کے بعد اور زیادہ سختیاں ہوئیں۔ اب خورشاہ کو خیال ہو چلا تھا کہ میں کبھی اس کے موافق نہ ہوں گی۔ مگر لوگوں کے کہنے سننے اور اس کے دلی میلان کا نتیجہ تھا کہ اس وقت تک زندہ

PDF KI DUNY

آخری باب

طور معنی: نہیں بالکل نہیں۔

یہ جواب سنتے ہی غصے میں آ کے حسین نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا "یا تو وہ کشف تھا کہ بغیر اس کے کہ میری صورت دیکھے اور میری آواز سنے تو نے کہا تھا 'اے نوجوان آملی مرحبا۔ یا آج مجھے دیکھ کے بھی نہیں پہچان سکا؟ تیری سب سازشیں کھل گئی ہیں اور معلوم ہو گیا کہ تو کتنا بڑا مکار و بدمعاش ہے" اس جواب پر طور معنی جھک کے حسین کے قدم چومنے لگا اور رقت و بدحواسی کی آواز میں بولا "رحم جوان آملی"

حسین: ہرگز نہیں۔ تو ایک فتنہ ہے جس سے دُنیا کو جہاں تک ہو سکے جلد خالی کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کے حسین طور معنی کے سینے پر چڑھ بیٹھا' تلوار زمین پر ڈال دی اور کمر سے خنجر نکال کے بولا "یہی وہ فدائیت کا خنجر ہے جو میری کمر بند ہوایا گیا تھا۔ اسی سے میں نے امام ناصر الدین احمد کے سے نیک نفس بزرگ کی جان لی تھی' اور اسی سے تیرا ناپاک سینہ چاک کرنا چاہتا ہوں۔" طور معنی کچھ کہنے کو تھا کہ حسین کا خنجر اُس کے سینے کے اندر اُتر گیا اور ایک ہی وار میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ایک آہ کے ساتھ جان دے دی۔ حسین اپنی تلوار لے کے اُٹھ کھڑا ہوا' مگر اچھی طرح کھڑا نہیں ہونے پایا تھا کہ کسی قدر فاصلے پر ہلاکو خان کے قریب ہی ایک تاتاری ایک ضعیف العمر بڈھے کو اُس کے عمامے سے باندھ کر کھینچ رہا تھا حسین اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا کہ علی وجودی ہے بے اختیار دوڑ گیا اور پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے چلایا "یہ مجرم ہے۔"

تاتاری: کیوں؟ گرفتار میں نے کیا اور مجرم تمہارا ہو گیا؟

حسین: ہاں' اس لیے کہ یہ میرا قدیمی مجرم ہے۔

اس جملے کے ساتھ ہی ہلاکو خان نے اُس تاتاری کو اشارہ کیا کہ اس قیدی کو حسین ہی کے سپرد کر دے۔ حسین نے علی وجودی کو اسی طرح اُس کے عمامے کا ایک جھٹکا دے کے دریافت کیا "مجھے پہچانا؟"

علی وجودی کچھ ایسی مایوسی اور از خود رفتگی کی حالت میں تھا کہ اُس وقت اس نے دیکھا ہی نہ تھا کہ اُس کے سر پر کیا گزری ہے اور اس کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔ حسین کی آواز سن کے اُس نے سر اُٹھایا اور پہچانتے ہی چلا اُٹھا "آہا! حسین! مجھے تیری جستجو تھی۔ جب قلعہ الموت سے تیرے نکالے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ افسوس! اگر تو میرے پاس آ جاتا تو اس طرح ناکام نہ رہتا۔

دراصل علی وجودی یہ نہیں سمجھا تھا کہ حسین اب اس کے عقائد کے خلاف ہے۔ اسے خیال گزرا کہ اب تک یہ میرا معتقد ہے اور اسی وجہ سے مجھے تاتاریوں سے چھڑا کے بڑی دلیری اور بہادری سے یہاں لایا ہے۔

حسین: (عقیدت کی شان اور عمامے کا سرا چھوڑ کے) مگر آپ کو تو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ آپ نے سیر لاہوتی میں بے شک دریافت کر لیا ہوگا کہ میں کن پہاڑوں اور کن گھاٹیوں میں سر ٹکراتا پھرتا تھا۔

یہ سن کے علی وجودی نے حسین کو بدگمانی کی نظر سے دیکھا اور کہا "سیر لاہوتی اُسی وقت ہوتی ہے جب انسان توجہ قلبی سے کام لے۔ دراصل میں نے تیرا حال دریافت کرنے کی جانب کبھی توجہ نہیں کی تھی۔

حسین: مگر یہ اُمید نہ تھی کہ مجھ سے عقیدت کیش کو آپ بالکل چھوڑ دیں گے۔

علی وجودی: او حسین' یہ فتنہ کیونکر برپا ہوا؟ یقین ہے کہ تجھے معلوم ہوگا' اس لیے کہ تیرے کہنے سے تاتاریوں نے میری جان چھوڑ دی۔

حسین: آپ کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو ہر امر واقعہ ادنیٰ توجہ قلبی سے معلوم ہو جاتا ہے۔

علی وجودی: اتنا جانتے پر بھی تو عالم ارواح کے رموز سے ناآشنا ہے۔ جن لوگوں کو ان رموز میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ انہیں اپنی خبر نہیں رہتی۔ سنا نہیں۔

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حسین: رُکن الدین خورشاہ نے مجھے جنت میں بھیجنے سے انکار کیا اور اپنے قلعے سے نکلوا دیا جس کے بعد مایوسی تھی اور عجیب بے کسی کی حالت میں تھا۔ افسوس! اس وقت آپ نے خبر نہ لی۔ مگر معاملہ گرگوں ہونے والا تھا۔ تقدیر نے مجھے ایک اور شخص سے ملا دیا اور اب اس کی برکت و رہبری سے جنت میں پہنچا اور زمرد سے ہم کناری نصیب ہوئی۔ افسوس! کہ اب میں آپ کے مریدوں سے نکل گیا اور اُس کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل ہو گیا ہوں۔

علی وجودی: وہ کون شخص ہے؟

حسین: تاتاریوں کا سردار ہلاکو خان۔ اور اس کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

علی وجودی نے یہ سنتے ہی سر سے پاؤں تک کانپ کے حسین کی صورت دیکھی اور پوچھا "وہ شرائط کیا ہیں؟"

PDF KI DUNY